

ماہی سفینۂ بخشش کراچی

اکتوبر تا دسمبر 2014

۱۴۳۶ھ مبارک

پیغامِ تاج الشریعہ

طوقِ تہذیبِ فرنگی توڑ ڈالو مومنو!
تیرگی انجام ہے یہ روشنی اچھی نہیں

کلامِ اختر سفینۂ بخشش

تاج الشریعہ فاؤنڈیشن

| www.alahazrat.net/qsb |

ماہنامہ سفینۂ بخشش کراچی

جولائی تا ستمبر ۲۰۱۴ء……رمضان تا ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ

جلد: ۴……شمارہ: ۳



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا خاتم الانبیاء والمرسلین

فہرست

ملنے کا پتہ: النوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی،

دوکان نمبر 4، مرکز الاویس، دربار مارکیٹ، لاہور

رابطہ: محمد ریحان اختر القادری

0331-7051492

0092 334 3247192 I bagheraza@yahoo.com I www.alahazrat.net/qsb I www.fb.com/qsb.kp

تاج الشریعہ فاؤنڈیشن نے 163/12، نزد جامع مسجد دار السلام، اورنگ آباد، ناظم آباد، کراچی سے جاری کیا۔

اداریہ

محمد دانش احمد اختر القادری

انقلاب، آزادی اور نیا پاکستان

نوآبادیاتی نظام کے خاتمہ کے بعد مسلم ممالک کے وسائل کو لوٹنے کے لئے استعماری قوتیں آمروں کی سرپرستی یا جمہوریت کے ڈرامے اور پھر دہشت گرد تنظیموں یا دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر فوج کشی جیسے سب جائز و ناجائز حربے استعمال کر رہی ہیں۔ پہلے آمروں کے ظلم و ستم کو پروان چڑھایا جاتا ہے اور وقت نکل جانے پر اسے ان ہی کے گلے کا طوق بنا دیا جاتا ہے یا پھر دہشت گرد تنظیمیں پیدا کی جاتی ہیں، انہیں پال پوس کر مسلط کر دیا جاتا ہے اور وقت آنے پر ان ہی کے خلاف جنگ شروع کر دی جاتی ہے۔ تیونس، مصر، لیبیا، عراق، شام، بحرین، سعودی عرب، پاکستان اس وقت اسی قسم کے حالات سے گزر رہے ہیں۔

پاکستان کی بدقسمتی یہ ہے اس کو بنانے والے تو نہایت مخلص تھے مگر اس کو چلانے والے مخلص نہیں مل سکے۔ 67 / سال ہونے کو آئے ہمارے ملک میں عوام ظلم، مہنگائی، غربت اور جہالت سے برسرپیکار ہیں۔ مملکت خداداد کے خلاف سازشیں تو روزِ اول سے ہی ہو رہی ہیں اور دن بدن ان میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ ملک دو ٹکڑے ہو گیا لیکن نادان دوستوں کو عقل آئی نہ دشمنوں کو سکون ملا۔

بارہ سال تک وطن عزیز کے گلی کوچے خاک و خون میں لتھڑے نظر آئے، شریعت کے نام پر درندگی اور حیوانیت سے بھی کچھ زیادہ مسلط کرنیکی کوشش کی جاتی رہی۔ عوام کے ضبط و صبر کے بڑے امتحانات کے بعد افواج پاکستان نے دہشتگردوں کے خلاف مکمل آپریشن شروع کیا جو کامیابی کی طرف بڑھ رہا تھا کے دشمن نے پلان بی پر عمل درآمد شروع کرا دیا انقلاب اور آزادی کے نام پر مخصوص ایجنڈے والے میدان میں آئے۔

اک طرف 2005ء میں کینڈا کی شہریت اختیار کرنے والے ایک صاحب کو پاکستان کے مظلوم عوام کا درد ستانے لگا تو دوسری جانب ملک کے ایک صوبے میں تقریباً سال بھر تک حکومت کرنے والے صاحب کو یاد آیا کہ الیکشن میں تو دھاندلی ہوئی تھی بس پھر کیا تھا۔۔۔ انقلاب اور آزادی کے نام پر جو کچھ ہوا الامان الحفیظ......

ریاست بچاو نعرے کی آڑ میں سیاست چمکانے اور آزادی کے نام پر فحاشی پھیلانے والوں نے اپنے کرتوتوں سے ثابت کیا ہے کہ ان کا مقصد صرف اقتدار ہے۔ نہ قول کے سچے نہ فعل کے اچھے، جس اقتدار کے لئے ساری تگ و دو کر رہے ہیں یہ انہیں ملنے والا تو ہے نہیں ہاں اس بیرونی ایجنڈے کی تکمیل کے بعد ملک و قوم کا حال تیونس، مصر، لیبیا، عراق، شام، یمن، لبنان وغیرہ کا ہے۔

خونریزی، سماجی انتشار، معیشت کی تباہی، اداروں کی بربادی، کمزور سرحدیں، سماجی انحطاط، بیرونی مداخلت کا نظارہ مذکورہ ممالک میں کیا جا سکتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر تہذیب و ثقافت کی بربادی اور اپنی شناخت سے محرومی۔ ایک عظیم الشان تاریخ کے باوجود آج وہاں لوگ اس احساس محرومی کا شکار ہیں وہ کون ہیں؟ کونسا ملک ہے؟ کونسا نظام ہے؟

پھر پاکستان کو دیکھیں...... جہاں کے لوگوں کی تاریخی، تہذیبی اور لسانی شناخت پر پہلے ہی کاری ضربیں لگائی گئی ہیں...... یقیناً ملک کو ایک صحت مند انقلاب کی ضرورت ہے، قوم کو ایک حقیقی آزادی چاہیئے۔ یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور صرف اسلام ہی اس مملکت کی تقدیر سنوار سکتا ہے نہ کوئی جمہوریت نہ کوئی انقلاب اور نہ ہی ڈالروں اور ریالوں کی چھتری تلے درآمد کئے .... بقیہ صفحہ ۳۳ / پر

بہار قرآن

اہل ایمان اور اہل قبلہ

مفتی واجد علی قادری

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَکُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ وَ لٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ وَ الۡکِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ○

ترجمۂ کنزالایمان: کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو، ہاں اصلی نیکی یہ کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر۔

یہ آیت یہود ونصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ یہودیوں نے بیت المقدس کے مشرقی جانب کو اور نصاریٰ نے مغربی جانب کو قبلہ قرار دے رکھا تھا اور ہر فریق کا گمان تھا کہ صرف اسی کا قبلہ درست ہے۔ اس آیت کریمہ میں ان کا رد فرمایا گیا ہے کہ تم بیت المقدس کے مشرق و مغرب کے جھگڑے میں پڑے ہو اور حال یہ ہے کہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا ہی منسوخ ہوگیا۔ (مدارک)

اس پر پوری آیت میں نیکی کے چھ طریقے ارشاد فرمائے گئے ہیں (۱) ایمان لانا (۲) رضائے خدا کے لئے مال دینا (۳) نماز قائم کرنا (۴) زکوۃ دینا (۵) عہد پورا کرنا (۶) صبر کرنا

مفسرین کا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ خطاب اہل کتاب کیساتھ ساتھ اہل ایمان کو بھی ہے اور معنیٰ یہ ہیں کہ صرف روبقبلہ ہونا اصل نیکی نہیں جب تک عقائد درست نہ ہوں اور دل اخلاص کے ساتھ رب قبلہ کی طرف متوجہ نہ ہو۔

ایمان کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے کہ وہ حی وقیوم، علیم وحکیم، سمیع وبصیر، غنی وقدیر، ازلی وابدی، ایک اکیلا، وحدہٗ لاشریک ہے۔

قیامت پر ایمان لائے کہ وہ حق ہے اس میں بندوں کا حساب ہوگا۔ اعمال خیر وشر کی جزا وسزا دی جائے گی۔ اس میں مقبولان حق شفاعت کریں گے۔ سید عالم ﷺ کے دست گرامی میں لواء الحمد ہوگا۔ آپ حوض کوثر سے سعادت مندوں کو سیراب فرمائیں گے۔ اہل صراط پر گزر ہوگا اور قیامت کے تمام احوال جو قرآن میں آئے یا سید المرسلین ﷺ نے بیان فرمائے سب حق ہیں۔

فرشتوں پر ایمان لائے کہ وہ اللہ کی مخلوق اور فرمانبردار بندے ہیں نہ مرد ہیں نہ عورت، انکی تعداد اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ چار ان میں بہت ہی مقرب ہیں: جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل علیھم الصلوۃ والتسلیم

کتب الٰہیہ پر ایمان لانا کہ جو کتب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں وہ حق ہیں ان میں بڑی کتابیں یہ ہیں۔ توریت جو حضرت موسیٰ پر، انجیل جو حضرت عیسیٰ پر، زبور حضرت داؤد پر اور قرآن مجید حضور پرنور سید المرسلین ﷺ پر نازل ہوئیں۔ اور پچاس صحیفے حضرت شیث پر، تیس حضرت ادریس پر، دس حضرت آدم پر اور دس حضرت ابراہیم ﷺ پر نازل ہوئے۔

تمام انبیاء پر ایمان لانا کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں اور گناہوں سے پاک ہیں۔ ان کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔ انبیاء صرف مرد ہوتے ہیں۔ عورت کبھی نبی نہیں ہوئی چنانچہ لفظ "نبیین" کو بصیغۂ جمع مذکر سالم ذکر فرمانا اسی جانب اشارہ کرتا ہے اور دوسری آیت میں اس کی وضاحت بھی موجود ہے: "وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اِلَّا رِجَالًا" ایمان مجمل یہ ہے: "امنت باللہ و بجمیع ماجاء بہ النبی" یعنی میں اللہ تعالیٰ پر اور ان تمام امور پر جو سید الانبیاء صلی اللہ ﷺ کے پاس سے لائے ایمان لایا (تفسیر احمدی)

مسلمان ہونے کے لئے صرف قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے عبادت کرنی ہی کافی نہیں بلکہ ایمان وصحت عقیدہ کی ضرورت ہے۔

یہ آیت مقدسہ رد ہے ان لوگوں پر جو کسی کے اہل قبلہ ہونے کی وجہ سے ضروریات دین کے انکار پر بھی اس کی تکفیر جائز نہیں جانتے۔

ائمہ کلام کے نزدیک اہل قبلہ سے مراد تمام ...... بقیہ صفحہ ۳۳ پر

بہار حدیث

تاج الشریعہ حضرۃ العلام مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری

لعنتی لوگ

عن زید بن واقد عن مکحول عن علی قال قال رسول اللہ ﷺ: ’’من اقتراب الساعۃ اذا رأیتم...... وتشبھت النساء بالرجال والرجال بالنساء......‘‘۔

حضرت زید ابن واقد سے روایت ہے، انھوں نے مکحول سے روایت کی، انھوں نے مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کی، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ: ’’قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ہے جب تم دیکھو......عورتیں مردوں سے اور مرد عورتوں سے مشابہت کریں......‘‘۔

یہ بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے اور یہ نشانی واقع ہو چکی۔ زمانۂ حال میں بکثرت اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے اور یہ شرعاً ممنوع ہے۔

مسند امام احمد/جلد: ۱/ص: ۳۳۹ پر ہے: ’’لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال ‘‘① یعنی اللہ کی لعنت ہے ان لوگوں پر جو عورتوں کی وضع اختیار کریں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی وضع اختیار کریں۔

آج عورتوں اور مردوں نے بہت سے طریقے ایک دوسرے سے مشابہت کے لئے اختیار کر لئے ہیں۔ انھیں میں سے یہ مروجہ چین کی گھڑی ہے جسے عام طور پر مردوں میں پہننے کا رواج ہو گیا ہے۔

یہاں تک کے بہت سارے امام، مولوی اور مفتی بھی بے دریغ اس کو پہنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ قطعاً زینت ممنوعہ اور تحلی ناجائز ہے۔ اس کا جواز اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے کلمات سے بتایا جارہا ہے حالانکہ ان کے کلمات سے ہرگز اس کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

اولاً: تو یہ چین جو ہاتھ میں پہنی جاتی ہے ان (اعلیٰ حضرت) کے زمانے میں تھی ہی نہیں۔

ثانیاً: جس چین پر اس کو قیاس کیا جارہا ہے اس کے تعلق سے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی قدس سرہٗ متعدد جگہ جو کچھ فرماتے ہیں اس سے اس کی صاف حرمت مستفاد ہوتی ہے۔

اعلیٰ حضرت سے یہ سوال ہوا کہ: ’’فی زمانا کرتوں اور صدریوں میں چاندی کے بوتام مع زنجیر لگاتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ الی آخرہ‘‘ اسکے جواب میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ’’چاندی کے صرف بوتام ٹانکنے میں حرج نہیں کہ کتب فقہ میں سونے کی گھنڈیوں کی اجازت مصرح......مگر یہ چاندی کی زنجیریں کہ بوتاموں کے ساتھ لگائی جاتی ہیں سخت محل نظر ہیں، کلمات ائمہ سے جب تک ان کے جواز کی دلیل واضح کہ آفتاب روشن کی طرح ظاہر وجلی ہو، نہ ملے حکم جواز دینا محض جرأت ہے کہ چاندی سونے کے استعمال میں اصل حرمت ہے۔

شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ ’’اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ ‘‘میں فرماتے ہیں: اصل در استعمال ذہب وفضہ حرمت است‘‘ یعنی جب شرع مطہر نے حکم تحریم فرما کر ان کی اباحت اصلیہ کو نسخ کر دیا تو اب ان میں اصل حرمت ہوگئی کہ جب تک کسی خاص چیز کی رخصت شرع سے واضح وآشکارنہ ہو، ہرگز اجازت نہ دی جائے گی بلکہ مطلق تحریم کے تحت میں داخل رہے گی ھذا اوجہ واقول! ثانیاً ظاہر ہے کہ ان زنجیروں کے اس طرح لگانے سے تزین مقصود ہوتا ہے بلکہ تزین ہی مقصود ہوتا ہے اور ایسے ہی تزین کو تحلی کہتے ہیں۔ علماء تصریح فرماتے ہیں مرد کو سوا انگوٹھی پیٹی اور تلوار کے سامان مثل پر تلے وغیرہ کے چاندی سے تحلی کسی طرح جائز نہیں۔‘‘②

نیز اسی کے ص ۲۹۸، ۲۹۹ پر فرماتے ہیں: ’’زنجیروں کے لئے نہ زر (بٹن) کی طرح کوئی نص فقیر نے پایا، نہ جواز پر کوئی صاف دلیل بلکہ وہ بظاہر مقصود بنفسہا ہیں، نہ زر کی طرح کپڑے کی کوئی غرض ان سے

متعلق، نہ علم کی طرح ثوب میں مستہلک کے تابع ثوب ٹھہریں۔ نہ ان سے سنگار اور زینت کے سوا کوئی فائدہ مقصود اور وہ زیور زنان سے کمال مشابہ ہیں، ان کی ہیات و حالت بلکل سہاروں کی سی ہے کہ ایک طرف ان کے کنڈوں میں بالیاں پرو کر ان کو دونوں جانب سے پیشانی کے بالوں پر لاکر کانٹا ڈال کر ملا دیتے ہیں وہ بھی ان زنجیرو کی طرح لڑیاں ہی ہیں بلکہ ان سے علاوہ تزین ایک فائدہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ بالیوں کا بوجھ کانوں پر نہ پڑے یہ انہیں اٹھا کر سہارا دیئے رہیں اسی لئے ان کو سہارے کہتے ہیں اور ان زنجیروں کی لڑیاں سوا زینت کے کوئی فائدہ نہیں دیتیں تو بہ نسبت سہاروں کے ان کی لڑیاں جھومر کی لڑیوں سے اشبہ ہیں اور سہاروں کی طرح یہ بھی داخل ملبوس ہیں بلکہ ان کا صرف زینت کیلئے بالذات مقصود اور کپڑے کی اغراض سے محض بے تعلق و نا مستہلک ہونا جھومر کی طرح ان کے اور بھی زیادہ لبس مستقل کا مقتضی ہے۔ الی آخرہ'' ③

یہاں سے ظاہر ہوا کے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہٗ کے زمانے میں جو گھڑی کی چین رائج تھی، جسے کرتے صدری وغیرہ میں لگا کر گھڑی جیب میں رکھتے تھے، ان کے نزدیک اس کا بھی وہی حکم ہے جو زیور کا ہے تو یہ چیز جو دستی گھڑی میں لگائی جاتی ہے بدرجہ اولی زیور ہے اور اس کے پہننے سے تحلی و زیبائش مقصود ہونا ظاہر تر ہے۔

لہٰذا اسکی حرمت اظہر اور اس میں عورتوں سے تشبہ باہر و روشن تر۔ وہاں پہننے سے مشابہ ہونے کی وجہ سے حکم حرمت دیا تو یہاں پہننے میں کوئی شبہ ہی نہیں تو یہاں خالص حرمت ہے نہ کہ شبہ حرمت!

جس کے بارے میں فرمایا: ''محرمات میں شبہ مثل یقین ہے تو اس میں چیز کی حرمت بہ نسبت زنجیر کے خوب آشکار ہے۔''

یہاں سے مجوزین کے قیاس کی حالت ظاہر ہوگئی۔ ہماری دانست میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہٗ کے کلمات میں نہ تعارض ہے، نہ ان کے فتویٰ سے اس چیز یا اس زنجیر کا جواز نکلتا ہے۔

بالفرض اگر صورت تعارض ہو بھی تو رجوع ان تصریحات کی طرف لازم ہے کہ خود قوی اور شبہ سے صاف ہے اور جس کلمہ سے اس کا خلاف متوہم ہو، اس کی تاویل لازم ہے اور اس طرح تطبیق دینا ضروری ہے۔

لہٰذا اگر ''الطیب الوجیز ''میں علامہ شامی کی اس بحث کے پیش نظر کہ یہ وضع لبس ہے یا محض تعلیق زنجیر، اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ''احتراز اولی ہے یا اس سے بچنا چاہیئے۔'' ④

تو تاویل اسی کلمہ 'تو ہم جواز کی ضروری ہے تا کہ دوسرے فتاویٰ سے تعارض لازم نہ آئے۔ بسا اوقات اولیٰ یا اس کے ہم معنی لفظ کا اطلاق واجب پر کرتے ہیں۔ چنانچہ ''عنایہ'' / جلد اول/ص: ۲۴۲ پر ہے:

''وکذلک ان صلی علی النبی ﷺ یستمعون و ینصتون سال أبو یوسف أباحنیفة ؓ اذا ذکر الامام ھل یذکرون ویصلون علی النبی ﷺ وسلم قال أحب الی أن یستمعوا وینصتوا ولم یقل لا یذکرون ولا یصلون فقد أحسن فی العبارة واحتشم من أن یقول لا یذکرون ولا یصلون علی النبی ﷺ وانما کان الاستماع والانصات احب لان ذکر اللہ والصلاة علی النبی ﷺ لیس بفرض واستماع الخطبة فرض'' ⑤ یعنی یونہی اگر خطیب نبی ﷺ پر درود پڑھے تو لوگوں کو سننا اور چپ رہنا لازم ہے۔ امام ابو یوسف ؓ نے امام اعظم ؓ سے پوچھا امام اگر ذکر کرے کیا مقتدی بھی ذکر کریں اور نبی ﷺ پر درود بھیجیں؟ امام اعظم ؓ نے فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ وہ لوگ خطبہ سنیں اور خاموش رہیں اور امام اعظم ؓ نے یہ نہ کہا کہ ذکر نہ کریں اور درود نہ بھیجیں تو اس طرح تعبیر میں حسن اسلوب سے کام لیا اور یہ کہنے سے بچے کہ ذکر نہ کریں اور درود نہ بھیجیں اور سننا اور خاموش رہنا اس لئے پسندیدہ ٹھہرا کہ اللہ کا ذکر اور نبی ﷺ پر درود بھیجنا فرض نہیں اور خطبہ کا سننا فرض ہے۔

نیز ''جوہرہ نیرہ'' / جلد: ۲/ص: ۲۶۰ پر ہے: ''وینبغی ان یکون قدر فضة الخاتم مثقالا ولا یزاد علیه وقیل لا یبلغ به المثقال'' ⑥ یعنی انگوٹھی کی چاندی کی مقدار ایک مثقال ہونا چاہئے اور اس سے زیادہ کرنا منع ہے اور ایک قول یہ ہے کہ چاندی کی مقدار پوری ایک مثقال نہ کرے۔

اس جگہ بھی ''یجب'' (واجب) کی جگہ ینبغی (چاہئے) فرمایا۔ خود ''فتاویٰ رضویہ'' میں اس کی نظیر یہ ارشاد ہے، عشرۂ محرم میں تین رنگوں کے

بابت فرماتے ہیں: ''مسلمان کو چاہیے عشرۂ مبارکہ میں تین رنگوں سے بچے سبز، سرخ، سیاہ۔ ''سبز'' کی وجہیں تو معلوم ہو گئیں اور ''سرخ'' آج کل ناصبی خبیث خوشی کی نیت سے پہنتے ہیں۔ ''سیاہ'' میں اودا، نیلا، کاسنی ''سبز'' میں کاہی، دھانی، پستئی ''سرخ'' میں گلابی، عنابی نارنگی سب داخل ہیں غرض جس پر ان میں کوئی رنگ صادق آئے اگر سوگ یا خوشی کی نیت سے پہنے جب تو خود ہی حرام ہے ورنہ ان کی مشابہت سے بچنا بہتر۔ الی آخرہ'' ⑦

یہاں بہتر اور حرام کے تقابل سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر سوگ یا خوشی کی نیت نہ ہو تو ان کپڑوں کو پہننا جائز بلکہ اچھا بہتر کے مقابل بہ یعنی اچھا ہے حالانکہ سیاق کلام سے یہ معنی کس قدر بیگانہ ہے۔ یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں تو قطعاً یہاں بہتر معنی تفضل پر نہیں، نہ محض مستحب کے معنی میں اور یہاں عبارت میں لفظ ''چاہیے'' بھی محض مستحب کے معنی میں نہیں کہ مقابل واجب قرار پائے بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر یہ نیت نہ بھی ہو، جب بھی ان کی مشابہت سے بچنا اولی و اوجب ہے تو یہاں بھی لفظ ''چاہیے'' اور بہتر ''واجب'' کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ اس لئے پہلے یہ کہا: ''عشرہ محرم کے سبز رنگے ہوئے کپڑے بھی ناجائز ہیں۔ یہ بھی سوگ کی غرض سے ہیں۔ الی آخرہ'' ⑧

شاید ایک وجہ اس جیبی گھڑی کی زنجیر کے جواز کی ممکن ہے۔ اس صورت میں جبکہ وہ چیز چاندی و سونے کے علاوہ کسی اور دھات کی ہو اور اس سے تحلّی زیبائش و نمائش مقصود نہ ہو بلکہ گھڑی کی حفاظت کے لئے کپڑے میں چھپا کر لگائی جائے۔

اس صورت میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے کلمات سے اگر اس چیز کے جواز کا ایہام ہوتا ہے تو اس کا محمل یہی صورت ہے اور اسی صورت پر ان کے کلمات کو محمول کرنے سے ان کے فتاویٰ میں تعارض کا وہم مندفع ہو جاتا ہے، مگر یہ صورت جیبی گھڑی کی چین میں نہیں تو اس پر قیاس درست نہیں کہ دونوں صورتیں جداگانہ ہیں۔

......☆ حوالہ جات ☆......

① مسند احمد / مسند بنی ہاشم / مسند عبداللہ بن العباس / رقم الحدیث: 3151 / ج:5 / ص:243

② فتاوی رضویہ (قدیم) کتاب الحظر و الاباحۃ / باب ظروف و زیورات / ج: 10 / ص:34..... نیز فتاوئ رضویہ (جدید) / کتاب الحظر و الاباحۃ / باب ظروف و زیورات / ج:22 / ص:111، 112

③ فتاوی رضویہ (جدید) / باب ظروف و زیورات / ج:22 / ص:125 نیز..... فتاوی رضویہ (قدیم) / ج:10 / ص:34-35 / نصف آخر

④ الطیب الوجیز

⑤ العنایۃ شرح الهدایہ / کتاب الصلاۃ / باب صفۃ الصلوٰۃ / فصل فی القراءۃ / ج:1 / ص:343، 344

⑥ الجوهرۃ النیرۃ / کتاب الحظر والاباحۃ / ج:2 / ص:281

⑦ فتاوی رضویہ (قدیم) / کتاب الحظر والاباحۃ / ج:10 / ص:37 / نصف آخر

⑧ فتاوی رضویہ (قدیم) / کتاب الحظر والاباحۃ / ج:10 / ص:36 / نصف آخر



......☆ بقیہ: اعلیٰ حضرت کی خدمات ☆......

۱۔ شیعہ مرد یا شیعہ عورت سے نکاح حرام اور اولاد ولد الزنا، ۲۔ شیعہ کا ذبیحہ حرام، ۳۔ شیعہ سے میل جول، سلام، کلام اشد حرام، ۴۔ جو شخص شیعہ کے ملعون عقائد سے آگاہ ہو کر پھر بھی انہیں مسلمان جانے بالا جماع تمام ائمہ دین خود کافر ہے''۔ (کیا شیعہ سنی بھائی بھائی ہیں؟ صفحہ ۱۱، ناشر مرکزی شعبہ نشر و اشاعت سپاہ صحابہ، جھنگ، پاکستان)

دیوبندی تنظیم سپاہ صحابہ کے شائع کردہ کتابچہ سے پیش کئے گئے اس حوالہ سے بھی یہ بات بخوبی ثابت ہوئی کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی شیعہ نہیں بلکہ شیعہ کا رد کرنے والے تھے، الحمد للہ قارئین کرام! اس مضمون میں دیوبندی علماء کے پیش کئے گئے حوالہ جات سے ''مطالعہ بریلویت'' نامی مجموعۂ دجل و فریب میں اعلیٰ حضرت کو شیعہ کہنے والے ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی کے جھوٹ کی خوب تردید ہوگئی ہے۔ ان حوالہ جات کے بعد اگر کوئی دیوبندی اعلیٰ حضرت کو شیعہ یا شیعہ نواز کہے گا تو اب بھی صرف اعلیٰ حضرت کی ہی مخالفت نہیں بلکہ وہ دیوبندی علماء کی بھی مخالفت کرے گا۔ اسے کہتے ہیں الفضل ماشهدت به الاعداء

نعت سرکار ﷺ

امین شریعت علامہ مفتی سبطین رضا خان قبلہ

اسم مصباح محمد نے اجالا کر دیا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حق تعالیٰ نے انہیں کا بول بالا کر دیا
وصف عالی آپ کا ''انا فتحنا'' کردیا

صرف انساں کا نہیں محبوب سب کا کردیا
اور ستونِ خشک کو بھی ان پہ شیدا کردیا

ہے زمین و آسماں بھی آپ کے زیرِ نگیں
اک اشارے میں قمر کو بھی دونیما کردیا

روئے عالم تاب شاید بے نقاب ہونے کو ہے
چہرۂ خورشید کو بھی جس نے پیلا کردیا

میں ہوں مسلم ہے بخاری بر زباں مشکوٰۃ دل
اسم مصباح محمد نے اجالا کر دیا (ﷺ)

بر سرِ شمشیر میرے ڈگمگائے تھے قدم
رب سلم کی صدا نے پار بیڑا کر دیا

ہے میری مشکوٰۃ دل میں ان کی رفعت کا چراغ
اے نکیرو! اس نے مرقد میں اجالا کردیا

حشر میں تھی پر خطر سبطین کی حالت مگر
ان کی رحمت نے سر میزاں اشارہ کر دیا

امین شریعت، نبیرۂ استاذ زمن حضرت علامہ مولانا مفتی سبطین رضا خان قادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ (سبطین بریلوی) کا کلام پاکستان میں پہلی مرتبہ شائع کرنے کا اعزاز سہ ماہی ''سفینۂ بخشش'' کراچی کو حاصل ہوا۔ قبل ازیں حضور امین شریعت کے برادر گرامی وقار صدر العلماء حضرت علامہ تحسین رضا خان قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ (تحسین بریلوی) کا کلام ذیشان بھی پہلی مرتبہ شائع کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ الحمد للہ رب العالمین

......☆ تیرے دشمن سے کیا رشتہ ہمارا یا رسول اللہ ﷺ ☆......

قرآن مجید کیا فرماتا ہے: ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ '' (التوبۃ: ۲۳) اے ایمان والو! اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ سمجھو اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو وہی ظالم ہیں۔

شان نزول: ہوا یوں کہ جب مسلمانوں کو کافروں سے قطع تعلق کرنے کا حکم دیا گیا تو کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آدمی اپنے باپ، بھائی اور رشتہ دار وغیرہ سے تعلق ختم کردے تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور بتایا کہ کافروں سے دوستی و محبت جائز نہیں چاہے ان سے کوئی بھی رشتہ ہو، چنانچہ آگے ارشاد فرمایا: (التوبہ: ۲۴) تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے، اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ اپنے وایمان کو بچانے کے لئے دنیا کی مشقت برداشت کرنا مسلمانوں پر لازم ہے۔ فقیر اویسی غفرلہٗ نے وہابیہ دیوبندیہ کے عقائد باطلہ اور ان کی گستاخانہ عبارات لکھ کر اہل اسلام کو ان سے دور رہنے کی تاکید کی تو کئی مقدمات کا سامنا کرنا پڑا اپنے پرائے سب مخالف ہوئے جبکہ فقیر نے سب سے کہا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا واضح حکم موجود ہے کہ اللہ اور اس کے پیارے محبوب ﷺ کے مقابلہ میں دنیوی تعلقات کو ترجیح دینے والا فاسق ہے۔ اس لئے فقیر اپنے کریم رؤف ورحیم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے ﷺ تیرے دشمن سے کیا رشتہ ہمارا یا رسول اللہ ﷺ از قلم فیض ملت علامہ فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ

خصوصی مضمون

رضی بدایونی

اہل حق کے نام

کربلا کا پیغام

چڑھ جائے گرچہ سر ترا نیزے کی نوک پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

اسلامی سال کا آغاز واختتام اپنے ساتھ ایثار وقربانی کا وہ ابدی پیغام لے کر آتا ہے جو انسان کو اس کی زندگی کے مقصد حقیقی سے آگاہ کرتا ہے۔ میدان منیٰ میں سیدنا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا راہ حق میں قربانی کیلئے کمال صبر و رضا کے ساتھ آمادگی کا اظہار اور میدان کرب وبلا میں سید الشہدا امام عالی مقام سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی قیادت وسیادت میں خاندانِ رسالت کی تاریخ ساز قربانیوں کے پس منظر میں اسی پیغام کی روح کارفرما ہے۔

اس صداقت سے ہرگز ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تمام عالمِ انسانیت پر سب سے عظیم احسان سرورِ کائنات فخر موجودات نبی کریم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ جنہوں نے اپنے پرآشوب اور نامساعد دور میں جب کہ دنیا ملوکیت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھی۔ ہر طرف بے گناہ وبے قصور بندگان خدا مصائب وآلام ستم وناانصافیوں کے شکار تھے، ظلم وتشدد وجبر واستبداد کا ہر طرف ایک طوفان برپا تھا۔ فاسق وفاجر ظالم وجابر گنہگاروں کے سروں پر تاج شاہی جگمگا رہے تھے اور صداقت اور انسانیت سسک سسک کر دم توڑ رہی تھی۔ ایسے ناخوشگوار اور مسموم حالات وماحول میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو اسلام جیسے مقدس وپاکیزہ، مکمل وجامع دین مذہب عطا فرمایا۔ اور اسلام کے ذریعہ ایک ایسے مفید ومکمل ضابطہ حیات سے نوازا جس پر خلوص نیت سے عمل پیرا ہونے سے نہ صرف روح کی اصلاح ہی ہوتی ہے اور روح میں تازگی وبالیدگی ہی پیدا ہوتی ہے بلکہ دنیا کا دیگر نظام بھی اس کی بدولت درست ہوجاتا ہے، اور ہر ایک نفس کو اس دنیاوی حیات ناپائدار میں حریت ومساوات اور امن وسکون کی دولت بے پایاں اصل حاصل ہوتی ہے۔

جب رہبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے فاران کی چوٹیوں سے دنیا کو اسلامی توحید نظام کی تعلیم دی، مظلوموں کی حمایت کی، ظالموں اور ستم گاروں کے مضبوط چنگل سے کمزوروں، بے بسوں، بے کسوں اور شہنشاہیت کے دوسرے لبادے میں ملبوس نام نہاد آقاؤں کی شرمناک غلامی سے دنیائے انسانیت کو نجات دلائی، اور قبائل وزر پرستی کی لعنت کا قلع قمع کر کے مساوات واخوت کی بنیاد قائم کر کے نعرۂ حق بلند کیا، تو قیصر وکسریٰ کی حکومتیں دہل گئیں، ظالم وجابر وزر پرست بوکھلا اٹھے، جبر واستبداد کے حامیوں اور رہنماؤں کا غرور وتکبر خاک میں ملنے لگا، تو وہی دنیا جو پہلے غلامی کے شکنجہ میں اسیر تھی، جوق درجوق اسلامی جمہوریت کے آغوش میں آگئی۔

مساوات واخوت کے علمبردار اعظم سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دار فانی سے بظاہر پردہ فرماجانے کے بعد بھی ایک مدت تک اسلامی جمہوریت دنیا پر حکمراں رہی۔ اسلامی تاریخ کے اوراق اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ جب تک آئین شریعت اور قانون اسلام کے مطابق نظم ونسق قائم رہا کمزور سے کمزور انسان کے حقوق بھی اسی طرح محفوظ رہے جس طرح خود خلیفۃ المسلمین کے۔ اسلام کے اس آئین وقانون کی حفاظت وبقاء وفروغ کے لئے بدر، احد، خندق اور خیبر وغیرہ کی صف آرائیاں بھی وجود میں آئیں اور اسی ضابطہ حیات کیلئے کربلا میں بھی میدان کارزار گرم ہوا۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر ایک انقلابی دور آیا، پھر حرص وہوس خودستائی وخودنمائی کے طوفان امنڈ پڑے اور ملوکیت پھر ایک بار اسلامی جمہوریت کو مٹانے اور کمزوروں، ناداروں اور مظلوموں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھانے، یتیموں، یسیروں کے حقوق غصب کرنے کیلئے

در پے آزار ہوئی۔

۶۰ھ میں جب فاسق و فاجر یزید تخت نشین ہوا، مزید فسق و فجور بڑھے، حالات ابتر ہوئے اور ہاشمی خون نے جب بے گناہوں کو ملوکیت کے ظلم و جبر کا نشانہ بنتے دیکھا تو برداشت نہ ہوسکا اور اپنا فرض ادا کرنے کیلئے شریعت اور اسلامی قانون کے پرستار حریت و آزادی اور جمہوریت اسلامی، حقیقی علمبردار آلِ رسول ﷺ اس ملوکیت پرست فاسق و فاجر اور اس کے حواریوں کا خاتمہ کرنے کیلئے کمربستہ ہوئے۔ انہوں نے لعین یزید سے صاف صاف کہا کہ اسلام ملوکیت پرستی کا سخت مخالف و دشمن ہے۔ اے ملوکیت کے نشہ میں چور رہنے والے اگر عاقبت چاہتا ہے تو مخلوق خدا کو اپنی غلامی اور ظلم و جبر کے شکنجہ سے آزاد کر، ورنہ خاندانِ رسالت ﷺ کا ایک ایک فرد اپنے نانا جان کی سنت پر عمل کر کے ہمیشہ کیلئے تیری ملوکیت کا خاتمہ کرے گا۔

لیکن یزید طاقت کے زعم اور شہنشاہیت کے نشہ میں چور تھا، اس پر حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے کسی انتباہ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ اس نے مدینہ شہر کے گورنر ولید بن عتبہ کو لکھا کہ حسین ابن علی (رضی اللہ عنہ) سے میری وفاداری کی بیعت لی جائے۔ چنانچہ سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے صاف انکار فرمادیا اور کہا اے ولید ابن عتبہ افسوس کا مقام ہے کہ تم ہم سے ایسے لوگوں کی بیعت کا مطالبہ کرتے ہو جو اپنی بداعمالیوں پر شرمسار و نادم تک نہیں، جو فاسق و فاجر ہیں، جو اپنے برے اور اسلامی آئین و شریعت کے خلاف عمل پر فخر و ناز کرتے ہیں، جن کی محافل لہو و لعب سے سجتی ہیں، جو کمزوروں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھاتے ہیں، یتیموں کے حقوق غصب کرتے ہیں۔ میں ایسی غیر اسلامی شریعت شکن طاقتوں کے روبرو ہرگز سرخم نہیں کرسکتا۔ یہ قطعی ممکن ہے کہ میری گردن تلواروں کی امتحان گاہ بن جائے میرا سینہ تیروں کے لئے وقف ہوجائے اور میرا جسد خاکی خاک و خون میں تڑپے، لیکن یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ میں باطل کی عظمت کا اقرار کروں۔

اس تلخ جواب کے نتیجہ میں حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کو یقین واثق تھا کہ خونریزی کا ایک شدید طوفان برپا ہوگا، حرم شریف کی بے حرمتی ہوگی، لہٰذا آپ نے مکہ معظمہ کو ہجرت کی تیاری فرمائی دربارِ رسول اللہ ﷺ اور حضرت خاتون جنت کے مزار مقدس پر حاضر ہوکر داستان درد و غم بیان کی، مکہ معظمہ پہنچ کر شعب ابو طالب میں قیام فرمایا، جہاں عراق سے محبانِ علی کے بے شمار عقیدت نامے موصول ہوئے۔ کئی وفود بھی حاضرِ خدمت ہوئے۔ جنہوں نے درخواست کی کہ آپ ہمارے ایمانوں کی حفاظت کیلئے ہماری رہنمائی و نمائندگی فرمائیں۔ چنانچہ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے کوفہ روانگی کا عزم فرمایا۔ حالانکہ آپ کے رفقاء و مخلصین نے یہی مشورہ اور رائے دی کہ کوفیوں کے قول و فعل پر ہرگز اعتماد نہ فرمائیں۔ ان کی بداعتمادی کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

چنانچہ صحیح حالات کے معلومات کیلئے پہلے حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا، جہاں ان کا ظاہری خیر مقدم اور انتہائی اظہار عقیدت کیا گیا جس کے نتیجہ میں انہوں نے حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کو اولاً حالات تحریر کردیئے، جسے پڑھ کر حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کوفہ روانہ ہوگئے اور قادسیہ مشراف، اور جبل اسد وغیرہ کی منازل عبور فرماتے ہوئے یکم محرم الحرام ۶۱ھ کو ذی حشم پہنچے۔ ۲ محرم الحرام کو کربلا کے بے آب و گیاہ چٹیل میدان میں پہنچے، یہاں حق و باطل کی معرکہ آرائی ہوئی شمع اسلام کے تمام پروانے حمایت حق میں شمع اسلام پر نثار ہوگئے۔

مسافر کربلا، شہید محرم، امام مظلوم رضی اللہ عنہ کا ایک تو وہ تاریخی سفر تھا جو مدینہ طیبہ کی جاں نواز گلی کوچوں سے شروع ہوکر فرات کے کنارے آپ کے تشنہ کام قتل اور شہادت عظمیٰ پر تمام ہوا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے جلو میں تبلیغ و ہدایت کا ایک مبارک و مسعود کارواں تب بھی تھا جو باطل کے خلاف آپ کی افہام و تفہیم سے شروع ہوکر نہر فرات کے کنارے آپ کی شہادت پر ختم ہوا، اور عظیم الشان کامیابی پر ختم ہوا۔ آپ نے مقام بیضہ پر نہایت جامع و واضح دو تاریخی خطبے بھی دیئے، اور اتمام حجت فرمایا، لیکن افہام و محبت کے مظاہرہ کا نہ ملوکیت پرستوں پر کوئی اثر ہوا نہ ان کے ہمنواؤں و حامیوں پر۔ جب کہ آپ سمجھاتے رہے یزید کی ناجائز و جابر حکومت اور اس کی برائیاں لوگ نہ سمجھ سکے، لیکن جیسے ہی

........بقیہ صفحہ ۱۵ پر

نجوم ہدایت

علامہ سید سعادت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

خلافت راشدہ

کے سیاسی و اصلاحی اصول و ثمرات

خلافت راشدہ یعنی راہنما دور حکومت، یہ ایک مخصوص اصطلاح ہے جو خاص ہے خلفاء راشدین کے دور حکومت کیلئے۔ جس کا دورانیہ مخبر صادق ﷺ کے ارشاد عالی کے مطابق صرف تیس سال رہا، اسی دور خلافت کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، میرے بعد خلافت تیس سال کی ہوگی پھر ملوکیت (بادشاہت) ہوگی، خلاف راشدہ کے دور کا آغاز، نبی کریم ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد، پیر ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۱ ہجری سے ہوتا ہے، جبکہ اس راہنما دور کا اختتام اتوار ۱۴ ربیع الاول شریف ۴۱ ہجری پر ہوا۔ (بمطابق ۷ جون ۶۳۲ء تا ۱۸ جولائی ۶۶۱ء) جس کی تفصیل یہ ہے۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

آغاز خلافت: پیر ۱۲ ربیع الاول شریف، ۱۱ھ (۷ جون ۶۳۲ء)

اختتام ورحلت: منگل ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ (۲۴ اگست ۶۳۴ء)

کل مدت خلافت: ۲ سال، ۳ ماہ، ۱۰ دن

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

آغاز خلافت: منگل، ۲۲ جمادی الثانی، ۱۳ھ (۲۴ اگست ۶۳۴ء)

اختتام ورحلت: ہفتہ یا اتوار، ۲۹ ذوالحجہ، ۲۳ھ / یکم محرم، ۲۴ھ (۷ نومبر ۶۴۴ء)

کل مدت خلافت: ۱۰ سال، ۶ ماہ، ۷ دن

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

آغاز خلافت: اتوار، یکم محرم الحرام، ۲۴ھ (۷ نومبر ۶۴۴ء)

اختتام ورحلت: جمعۃ المبارک، ۱۸ ذی الحجہ، ۳۵ھ، (۱۷ جون ۶۵۶ء)

کل مدت خلافت: ۱۱ سال، ۱۱ ماہ، ۱۸ دن

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ

آغاز خلافت: جمعۃ المبارک، ۱۸ ذی الحجہ، ۳۵ھ (۱۷ جون ۶۵۶ء)

اختتام ورحلت: جمعرات، ۲۱ رمضان المبارک، ۴۰ھ (۲۸ جنوری ۶۶۱ء)

کل مدت خلافت: ۴ سال، ۹ ماہ، ۳ دن

سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

آغاز خلافت: جمعرات، ۲۱ رمضان المبارک، ۴۰ھ (۲۸ جنوری ۶۶۱ء)

دستبرداری: اتوار ۱۴ ربیع الاول شریف، ۴۱ھ، (۱۸ جولائی ۶۶۱ء)

کل مدت خلافت راشدہ، ۳۰ سال

اکثر علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ چاروں خلفاء کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق خلافت راشدہ کے تیس سال مکمل کیے۔

حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو ممبر پر رونق افروز دیکھا، آپ کے پہلو میں امام حسن بیٹھے تھے۔ آپ نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا، میرا یہ بیٹا سید ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے درمیان صلح فرمادے گا۔ (پس حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوئے اور اس جنگ کے خاتمہ کا ذریعہ بنے جو حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے حامیوں کے درمیان جاری تھی)۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب خلافت سے دستبرداری کا ارادہ کیا تو حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے انہیں منع کیا لیکن آپ نے فرمایا کہ میں اس امر کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ (آپ کے ذہن میں نانا جان کا ارشاد موجود تھا، جس کے مطابق آپ نے عمل کیا)۔

یہ واضح رہے کہ علماء تاریخ نے خلفاء راشدین میں امام حسن رضی اللہ عنہ

کا زمانہ شمار نہیں کیا ہے۔ کہ در حقیقت ان کے خلافت کے دور کو حضرت علی ﷺ کے دور خلافت میں ہی شمار کیا جاتا ہے کیونکہ حضرت امام حسن ﷺ کے ہاتھ پر بیعت صرف حضرت علی ﷺ ہی کے اکثریتی گروہ نے کی تھی۔ حضرت امیر معاویہ ﷺ کا گروہ اس بیعت کا مخالف تھا اور امت کے اس انتشار کو ختم کرنے کیلئے ہی حضرت امام حسن ﷺ نے خلافت سے دستبرداری کا اعلان کیا تھا۔

بہر حال خلافت راشدہ کا تیس سالہ دور، راہنما دور تھا۔ خلفاء راشدین نے قرآن وسنت کی روشنی میں امت مسلمہ کو نظام مصطفیٰ ﷺ کی مکمل عملی صورت دکھائی اور معاش و معاشرت، حکومت و سیاست، زندگی کے ہر شعبہ کے ایسے راہنما اصول متعین کر دیئے جو ہر دور میں امت کی فلاح و بہبود، عزت وعظمت، شان وشوکت کی حفاظت وبقا کے ضامن ہیں، جنہیں اپنا کر مسلمان آج بھی اپنی حکومت کو مستحکم کر سکتے ہیں۔ دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ ایک باعزت آزاد قوم کی طرح زندگی بسر کر سکتے ہیں، یقین کیجئے، آج ہماری ذلت وخواری اور تباہی وبربادی کا واحد سبب خلافت راشدہ کے راہنما اصولوں سے منہ موڑ لینا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔

یوں تو خلفاء راشدین نے امت مسلمہ کی زندگی کے ہر شعبہ میں راہنمائی کی، لیکن ہمیں اپنے عنوان کے مطابق صرف ان راہنما اصولوں کا ذکر کرنا ہے۔ جو ان محسنین امت نے سیاست کے حوالے سے عطا فرمائے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ خلفائے راشدین نے ہمیں جو کچھ عطا کیا ہے اس کا منبع ومخزن قرآن کریم ہے جس کی تعلیم وتربیت ان حضرات نے معلم کتاب وحکمت سے حاصل کی، ان کو وہ استاد کامل میسر آیا جس کو عالم الغیب والشہادۃ نے بلاواسطہ دولت علم سے مالا مال کیا ''وعلمک مالم تکن'' کا ارشاد شاہد ہے کہ محبوب کو اتنے علم سے نوازا گیا کہ اس کی حد وانتہا کا تعین انسان کیلئے ناممکن ہو گیا، کتنا دیا، کیا دیا، نہ کوئی بتا سکتا ہے اور نہ جان سکتا ہے، بس ایمان کی بقا کیلئے یہ یقین ضروری ہے کہ: ''فاوحی الی عبدہ ما اوحی'' (کہ جتنا چاہا اور جو چاہا اپنے عبد مقدس کو عطا فرما دیا) ''وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی'' (اس معلم کامل کی ہر بات، چاہے کسی بھی حال میں ہو، وحی الٰہی ہوتی ہے۔ اس میں ہویٰ اور خواہش کی آمیزش نہیں ہوتی۔) اس لئے میرے آقا ﷺ کو حاکم مطلق قرار دیا گیا: ''مااتکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنہ فانتھو'' (جو رسول ﷺ دے وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ)

اپنے رب کے خزانہ سے جو عبد مقدس مالا مال ہو تو وہ اپنے غلاموں کو دینے میں کس طرح بخل سے کام لے سکتا ہے۔ پس ارشاد ہوا ''وما ھو علی الغیب بضنین'' (اور یہ نبی غیب بتانے میں ذرا بھی بخیل نہیں) ''ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون'' (اور وہ تمہیں سکھاتا ہے جو بھی تم نہیں جانتے)

پس غور فرمایئے کہ جن حضرات نے معلم کامل ومخبر صادق ﷺ سے بلاواسطہ علم حاصل کیا۔ ان کی علمی صلاحیتوں کا کیا حال ہوگا۔ انہیں کس کمال کی حکمت وبصیرت حاصل ہوگی وہ کس قدر مدبر ہوں گے۔ پس کیوں نہ ان کے عطا کردہ اصول زندگی، امت کی رہبری وراہنمائی کا ذریعہ اور کامیابی وکامرانی کی ضمانت ہوں۔ اسی لئے تو وہ خلفائے راشدین کہلاتے اور ان کے دور کو ''خلافت راشدہ'' کہا جاتا ہے۔

اصول سیاست، خلفائے راشدین علیہم الرضوان کے دورِ خلافت اور اندازِ حکومت کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو جو اصول سیاست ہمیں نظر آتے ہیں ان کی بنیاد یہ ہے کہ:

''خلیفۃ المومنین یا امت مسلمہ کے حکمران، صدر مملکت یا وزیر اعظم کیلئے ضروری ہے کہ وہ ''اتقیٰ'' امت میں سب سے زیادہ متقی، پرہیزگار، یعنی اللہ ورسول ﷺ کے احکام پر عمل کرنے والا ہو۔ نہ صرف کبائر وصغائر سے بچتا ہو بلکہ اس کے دامن پر کسی عمل مکروہ کا داغ بھی نہ دیکھا جا سکے۔

اس تناظر میں اگر ہم خلفائے راشدین کی زندگی کا جائزہ لیں تو لاریب یہ حضرات اس معیار پر پورے اترتے ہیں، یہ ان کے انتہائی زہد وتقویٰ کا ہی انعام تھا۔ کہ مالک ومختار جنت ﷺ نے انہیں ''جنتی'' قرار دیا کہ خلفائے راشدین ان دس خوش بختوں کی فہرست میں نظر آتے ہیں، جنہیں نبی معظم ﷺ نے جنتی ہونے کا مژدہ دیا۔ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کے کمال تقویٰ کے لئے یہی ثبوت کافی ہے کہ انہیں قرآن کریم نے ''اتقیٰ'' کہا اور جہنم کی آگ سے محفوظ رہنے کا مژدہ دیا۔ ارشاد ہوا ''**وسیجنبھا الاتقی الذی یوتی مالہ یتزکی** ''اور دور رکھا جائے گا اس (جہنم) سے وہ نہایت پرہیز گار جو اپنا مال دیتا ہے اپنے آپ کو پاک کرنے کیلئے۔ نیز تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات محفوظ ہیں جن سے آپ کا ''اتقیٰ'' ہونا واضح ہوتا ہے، تبرکاً ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

ایک مرتبہ آپ کے ایک غلام نے کوئی چیز پیش کی، جب آپ نے اسے تناول فرما لیا تو غلام عرض گزار ہوا کہ آقا! کیا آپ کو معلوم ہوا ہے کہ مجھے یہ چیز کہاں سے ملی۔ آپ نے فرمایا: ''بتاؤ تم یہ کہاں سے لائے تھے''۔ غلام نے بتایا کہ مسلمان ہونے سے پہلے کی بات ہے کہ میں نے ایک شخص کیلئے فال کھولی تھی۔ جبکہ میں فال کھولنے کے طریقہ سے بالکل ناواقف ہوں، بس میں نے چند پیسوں کے لالچ میں اسے دھوکا دیا تھا۔ آج اس سے ملاقات ہوئی تو اس فال کے صلہ میں مجھے یہ کھانا دیا جو آپ نے تناول فرمایا۔

حضرت ابوبکر ﷛ نے اسی وقت منہ میں انگلی ڈال کر قے (الٹی) کی اور حرام کھانے سے اپنا پیٹ صاف کر لیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''جو جسم حرام سے پرورش پاتا ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے''۔

خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروق ﷛ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت کے سربراہ قرار پائے، ان کے دور میں بڑے بڑے ممالک پر پرچم اسلام لہرایا، شہنشاہ و سلاطین سرنگوں ہوئے۔ قیصر و کسریٰ کی دولت کے ڈھیر مسجد نبوی شریف میں نظر آئے۔ مسلمانوں کے پاس دولت و ثروت کی کمی نہ رہی لیکن پیکر تقویٰ و پرہیز گاری کا یہ حال تھا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک کے سوا سب مسلمان جنتی ہو گئے ہیں، تب بھی مجھے اپنے مواخذہ کا خوف رہے گا کہ شاید وہ ایک میں ہی ہوں۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کاش میں بھی اس تنکے کی طرح خس و خاشاک ہوتا، کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا، کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔

حضرت عمر ﷛ نے کبھی قیمتی فاخرانہ، نرم و نازک لباس استعمال نہ کیا، سر پر پھٹا ہوا عمامہ، جسم پر موٹے کپڑے کا کرتہ جس میں کئی پیوند لگے ہوتے تھے، پیروں میں پھٹی پرانی جوتیاں، امت مسلمہ کے اس عظیم محسن کی شان تھی۔ ایسی حالت میں آپ سرداروں اور امیروں کے وفود سے ملاقات کرتے اور قیصر و کسریٰ کے سفیروں کو باریاب کرتے تھے جو آپ کے کردار سے متاثر ہوتے اور اسلام کی عظمت کا اعتراف کرتے تھے۔

امیر المومنین کی غذا نہایت سادہ ہوتی تھی۔ اکثر دسترخوان پر صرف روٹی (بغیر چھنے آٹے کی) اور روغن زیتون ہوتا تھا۔ حفص بن العاص ﷛ اکثر کھانے کے وقت موجود ہوتے تھے لیکن کھاتے نہ تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے ان سے کھانے میں شریک نہ ہونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا، ''آپ کے دسترخوان پر اتنی سادہ اور معمولی غذا ہوتی ہے، جسے ہم اپنے لذیذ و نفیس کھانوں پر ترجیح نہیں دے سکتے، آپ نے فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے کہ میں لذیذ و نفیس غذا کھا سکتا ہوں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر مجھے قیامت کا خوف نہ ہوتا تو میں بھی تمہاری طرح عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا''۔

خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی ﷛! حیا و شرم، تقویٰ کی بنیاد ہے جو اللہ و رسول ﷺ اور بندوں سے شرم کرتا ہے، وہی ان کے حقوق بھی ادا کرتا ہے، جبکہ حقوق کی کما حقہ، ادائیگی کا نام ہی تقویٰ ہے۔ حیا و شرم، حضرت عثمان غنی ﷛ کا خاصہ تھا، جس کی انتہا یہ کہ آپ غسل بھی تہبند باندھ کر کرتے تھے آپ نے کبھی اپنی شرمگاہ پر نظر نہ ڈالی۔ ایک موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ''**الا یستحی من رجل یستحی منہ الملکۃ**'' میں اس شخص سے حیا کیوں نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں''۔

حضرت عثمان ﷛ اکثر اللہ کے خوف اور یوم حساب کے ڈر سے آب دیدہ رہتے تھے۔ آپ کے سامنے سے کوئی جنازہ گزرتا تو کھڑے ہو جاتے اور آنسو بہنے لگتے تھے۔ زیارتِ قبور کے وقت حالت نہایت ہی خراب ہو جاتی تھی۔ اکثر بے ہوش ہو جاتے تو لوگ آپ کو سہارا دے کر قبرستان سے باہر لاتے تھے۔ سارا دن امورِ خلافت میں مصروف رہنے کے باوجود رات کا اکثر حصہ اور کبھی پوری رات عبادتِ الٰہی میں

گزار دیتے تھے، اکثر روزے کی حالت میں رہتے تھے اور ہر سال حج کیلئے تشریف لے جاتے تھے۔

خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ، جن کے "اتقی" ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ سید الاتقیا ﷺ کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے۔ شب ہجرت انہیں امین بنا کران کے متقی ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرمائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سادگی، صبر وقناعت اور فقیری کا پیکر تھے، جب مدینہ منورہ سے کوفہ منتقل ہوئے تو دارالامارت کی پرشکوہ عمارت کی بجائے میدان میں ایک خیمہ لگوایا اور اسی میں قیام پذیر ہوئے۔ موٹا، جھوٹا لباس، نہایت سادہ کھانا ان کا شیوہ تھا، آپ فرماتے تھے کہ خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال سے صرف دو پیالوں کا حق ہے، ایک خود کھائے اور اہل عیال کو کھلائے، دوسرا اللہ کی مخلوق کو پیش کردے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "کان ما علمت صواماً قواماً" جہاں تک میں جانتی ہوں وہ بڑے ہی روزے دار اور عبادت گزار تھے۔ حضرت زبیر بن سعید قریشی کہتے ہیں: "لم اری هاشميا قط كان اعبدالله منه"۔ میں نے کسی ہاشمی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ عبادت گزار نہ دیکھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ غربت وتنگ دستی کے باوجود نہایت سخی تھے اکثر ایسا ہوتا کہ آپ کھانا کھانے بیٹھتے کہ اسی وقت کوئی بھوکا دروازے پر آجاتا اور آپ اپنے سامنے سے کھانا اٹھا کر اسے دے دیتے۔ اور خود بھوکے سو جاتے تھے۔

یہ ایک فطری عمل ہے کہ بیٹا باپ کی عادات کو اپناتا ہے۔ رعایا اپنے حاکم کا طرز زندگی اختیار کرتی ہے، خلفائے راشدین چونکہ نہایت متقی تھے، کروفر، شان وشوکت غرور وتکبر جیسے مہلک امراض سے محفوظ تھے، اطاعت شعاری ان کا وطیرہ تھی، سادگی ان کی عادت تھی، خدمت خلق ان کا مقصد حکومت تھا، پس معاشرے میں ہر طرف تقویٰ نظر آتا تھا۔ عوام بلا چوں چرا خلیفہ کی اطاعت کرتے تھے اور میل ومحبت وامن و امان کی زندگی بسر کرتے تھے۔

غرض یہ کہ خلافت راشدہ نے ہمیں سیاست کا بنیادی اصول تقویٰ دیا۔ جس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حکام وعوام سب ہی اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کی پابندی کریں، باہمی حقوق کی ادائیگی کو اپنی اہم ترین ذمہ داری جانیں، اپنوں اور غیروں سے تعلقات ومعاملات میں ذاتی اغراض و مصلحتوں کو نہیں بلکہ احکامِ شرع کو ملحوظ رکھا جائے، ایثار وقربانی اور سادگی کی عادات پیدا کی جائے، جس معاشرے میں یہ خوبیاں عام ہوتی ہیں وہ انتشار وافتراق، قتل وغارت گری اور بدامنی سے محفوظ رہتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ دور خلافت راشدہ کے بعد جس دور میں قائدین وعوام نے خلفائے راشدین کے عطا کردہ اصول سیاست "تقویٰ" کو اپنایا وہ دور تاریخ کا سنہری دور قرار پایا۔ امت کی خوشحالی کا دور قرار پایا۔ اس دور میں امن وامان عام ہوا۔ امیر وغریب سب کو پرسکون زندگی میسر آئی۔ اس دور کے حکام اور قائدین ہمیشہ کیلئے قابل احترام ہوگئے۔ خلافت راشدہ نے امت مسلمہ کو سیاست کا اہم ترین اصول "امیر سے محبت اور اس کی اطاعت" دیا کہ جب قوم امیر سے محبت کرتی اور اس کی اطاعت کی عادی ہوتی ہے۔ وہ ذاتی اغراض اور ذاتی مفادات سے قطع نظر کرکے، صرف اپنے مرکز، نظریہ اور آزادی کی حفاظت اور عزت وآبرو کے تحفظ کو اپنا مقصد بنالیتی ہے۔

خلفائے راشدین خود اس اصول سے سیاست کے کس قدر پابند تھے۔ اس حقیقت کا اندازہ ان کے اس طرز عمل سے کیا جاسکتا ہے کہ ان کے ہر اقدام میں اہمیت خصوصاً حضور ﷺ کے حکم اور عمل آپ کی سنت مبارکہ کو ہوتی تھی، مثلاً

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے تو داخلی وخارجی حالات بالکل ایسے نہ تھے کہ مدینہ منورہ سے کوئی لشکر اسلام باہر بھیجا جاتا، لیکن خلیفہ اول نے ان حالات کو جانتے ہوئے اس لشکر اسامہ کی روانگی کا حکم دیا جسے آقا ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں شام پر حملے کیلئے روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ اور جب صحابہ کرام نے حالات کے پیش نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے اختلاف کیا تو آپ نے فرمایا "خدا کی قسم! اگر مدینہ آدمیوں سے خالی ہوجائے حتیٰ کہ درندے میری بوٹیاں کردیں، تب بھی میں اس مہم کو

نہیں روک سکتا'' کہ یہ فیصلہ رسول اللہ ﷺ کا ہے، جس کی مخالفت میرے بس کی بات نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب اور دیگر کذاب مدعیان نبوت کی سرکوبی کی، منکرین زکوٰۃ کے خلاف لشکر اسلام روانہ کیا، جب کہ اس معاملہ پر صحابہ کرام بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے اختلاف کیا، لیکن آپ نے یہ کہہ کر سب کو مطمئن کر دیا۔ ''خدا کی قسم! اگر ایک بکری کا بچہ بھی (مد زکوٰۃ میں) جو حضور ﷺ کو دیا جاتا تھا، کوئی دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔

خلافتِ راشدہ کے پہلے خلیفہ کے ان اقدامات نے امت مسلمہ کی سیاست کا اصول متعین کر دیا کہ ناساگار حالات کے باوجود اللہ ورسول ﷺ کے احکام کی پابندی، تحفظ ناموس رسالت کی ذمہ داری، ہر مومن بالخصوص حاکم وقت کیلئے ناگزیر ہے۔ ایسے موقع پر کسی مصلحت یا تدبر کی گنجائش نہیں۔ نہ ہی کسی خوف وخطر کے سبب اس ذمہ داری سے گریز کیا جاسکتا ہے۔

اصول برائے اصلاح: اصلاح غیر چیزوں، کاموں اور باتوں سے پاک وصاف ہونے کا نام ہے، جو روح کی غذا ہے، جسم کا حسن ہے۔ افراد اور قوم کی عزت وعظمت کا ذریعہ ہے، قوم کی اصلاح کیلئے اس کے قائد و رہبر کا اصلاح پذیر ہونا ضروری ہے۔ قائد اعظم، مصلح اعظم ﷺ کا ارشاد ہے: ''**الناس علی دین قلوبھم**''۔ لوگ اپنے قائدین کا طرزِ عمل و طرزِ زندگی اختیار کر لیتے ہیں۔ جس طرح بچہ، باپ کی اچھی یا بری عادات ضرور اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح قائد وحاکم وقت کی عادات و اطوار عوام میں ضرور پیدا ہوتی ہیں۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم جن کی تربیت گاہ رسول ﷺ میں ظاہری وباطنی اصلاح ہوئی، نہ صرف اصلاح یافتہ تھے بلکہ امت مسلمہ کے مصلح ہونے کا انہیں مقام حاصل ہے۔ پس جب انہیں قوم کی قیادت کا موقع میسر آیا تو انہوں نے اپنی ذمہ داری کے مطابق قوم کی پوری طرح اصلاح کی، اس کے عمل وکردار کی نگرانی کی، کسی بھی غیر شرعی حرکت پر سخت گرفت کی۔ اسلامی معاشرے کے ہر فرد کو، صداقت، امانت اور دیانت کا عادی بنایا۔ عدل وانصاف کو عام کیا۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تبلیغ وتلقین کی۔ بطور مثال خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ پر غور کیجئے جو انہوں نے اپنے خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد پہلی مرتبہ دیا، آپ نے فرمایا۔

''یاایھا الناس! فانی قد و لیت علیکم ولیت بخیر کم فان احسنت فاعینونی وان اساءت فقدمونی الصدق امانة والکذب خیانة والضعیف قوی عندی حتی ارجع علیه حقه انشاء الله والقوی فیکم عندی حتی اخذ الحق منه انشاء الله لایدرء قوم الجهاد فی سبیل الله الاضربهم الله بالذل ولا تشیع الفاحشة فی قوم قط الا عمتهم الله بالبلاء و اطیعونی ما اطعت الله ورسوله فاذا عصیت الله و رسوله فلا طاعة لی علیکم''

ترجمہ: ''اے لوگو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں، حالانکہ میں تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری مدد کرو اور اگر میں برائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھا کرو۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے، انشاء اللہ تمہارا کمزور فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے، یہاں تک کہ اس کا حق واپس دلا دوں اور تمہارا قوی فرد میرے نزدیک ضعیف ہے، یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلا دوں، جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل وخوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری عام ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس میں مصائب وآلام کو عام کر دیتا ہے، میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو، لیکن جب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں''۔

اگر آپ اس خطبہ مبارک کا بغور مطالعہ کریں تو آپ کو ہر جملہ اصلاح کا اصول نظر آئے گا۔ اپنی اصلاح کا جذبہ، قوم کی اصلاح کی تلقین، اگر میں اچھا کروں تو میری مدد کرو''۔ اپنی اصلاح کا عزم ہے۔ ''اگر میں برائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو''۔ قوم کے ہر فرد کو مصلح ہونے کا ذمہ دار بنانا ہے۔ سچائی اختیار کرنے اور جھوٹ سے بچنے کی تلقین ہے۔ حقوق العباد کی اور حقوق اللہ کی ادائیگی کی تبلیغ ہے۔ بدکاری وفحاشی کو مصائب وآلام کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ اہم ترین

اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ قوم اسی امیر کی اطاعت و فرمانبرداری کی پابند ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مطیع و فرماں بردار ہو، اللہ و رسول ﷺ کے باغی، بدکردار امیر کو عوام سے اپنی اطاعت کی توقع رکھنا لایعنی اور بے سود ہے۔

ثمرات: دورِ خلافت راشدہ کو اپنانے والی قوم کو کیا ثمرات میسر آئے، اس پر تاریخ گواہ ہے کہ ان کا معاشرہ پرسکون و پرامن تھا۔ ان میں باہمی اتحاد و اتفاق تھا۔ ایثار و قربانی کے جذبات تھے۔ معاشی خوش حالی میسر تھی۔ اپنوں اور غیروں کی نظروں میں ان کی عزت تھی۔ ان سے دشمنوں کے دل دہلتے تھے، وہ بارعب تھے۔ جس طرف اور جس کام کیلئے آگے بڑھتے، کامیابی ان کے قدم بوس ہوتی تھی۔ لیکن تاریخ اس پر بھی شاہد ہے اور ہمارا حال بھی اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ جب امت مسلمہ نے خلافت راشدہ کے راہنما اصول سے اعراض کیا، انہیں قصہء پارینہ خیال کیا جانے لگا، فرسودہ سمجھا جانے لگا، اپنے لئے خود نظام حیاتِ وضع کرنے کی کوشش کی جانے لگی۔ جمہوریت کا نام نہاد تراشا گیا اور اسے ہی اپنی کامیابی کا وسیلہ جانا گیا۔ پس بدکردار، خود غرض لوگ مسلط ہوگئے۔ اللہ و رسول ﷺ کے نافرمان قائدین کا اثر عوام پر بغاوت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ امت مسلمہ انتشار و افتراق کا شکار ہوگئی۔ بدامنی و بدحالی نے زندگی کو اجیرن بنا دیا، ان مصائب و آلام کا ذمہ دار ایک دوسرے کو قرار دے کر، احتجاج، ہڑتالوں اور ریلیوں کا طریقہ اختیار کیا گیا کسی کو اصل مرض کی تشخص کی توفیق نہ ہوئی۔ کاش ہم مرض کی تشخص کر پاتے تو علاج آسان ہو جاتا۔ "خلافت راشدہ کے کامیاب اصولوں کو اپنانا"۔

خلیفہ اول کے خطبہ اول کا یہ جملہ یاد رکھنے اور غور کرنے کے قابل ہے۔ اس میں قوم کے جملہ امراض کا علاج موجود ہے۔ "**ولا تشیع الفاحشة فی قوم الا عمتهم الله بالبلاء**" ترجمہ: "اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس میں مصائب و آلام عام کر دیتا ہے"۔

☆......☆......☆......☆

.......☆ بقیہ: کربلا کا پیغام ☆......

آپ نے جام شہادت نوش فرمایا تو وہ حقائق سب کی سمجھ میں آ گئے۔ اس شہادت کی اہمیت اور اس کی عظمت و تقدیس کا صاف اندازہ ہوتا ہے اور اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم نے شہداء کو ایک امتیازی درجہ دیا "وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ" (اور جو خدا کی راہ میں قتل کئے جائیں انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، ہاں تمہیں خبر نہیں)۔

خود پیغمبر اسلام ﷺ نے شہادت کی تمنا فرمائی "**والذی نفسی بیده لوددت ان اقتل فی سبیل الله ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل** (خالق کائنات کی قسم! میری تمنا تو یہ ہے کہ راہ خدا میں بار بار قتل کیا جاؤں اور ہر بار مجھے زندگی ملے اور میں پھر شہید کیا جاؤں)۔

پس شہادت دراصل نام ہے تبلیغ و ہدایت کے ایک نفسیاتی طریقے کا، جس میں آدمی خلوص نیت سے ایک سچے نصب العین کو دوسرے سے منوانے کیلئے اپنے خون کے قطروں سے آخری "مہر تصدیق" ثبت کرتا ہے، جس سے نہ صرف یہ کہ مخالف طاقتوں کا اور باطل پرست طاقتوں کا زور گھٹ جاتا ہے۔ بلکہ تحریک میں بھی ازسرنو جان آ جاتی ہے اور عرصہ دراز تک لئے باطل کی سیہ کاریوں سے حق محفوظ ہو جاتا ہے۔ باطل اپنی موت آپ مرجاتا ہے۔

اے رسول پاک ﷺ کے نام لیوا مسلمانوں! سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے لخت جگر اور اپنے آقا کی اس صداقت و حریت پسندی سے سبق لو۔ حقیقی حریت کے میدان میں آگے بڑھو، ضرورت پڑنے پر بے دریغ آل رسول پاک ﷺ کی سنت پر عمل کرو۔ یہی مسلمان کی نجات کا ذریعہ اور دینی اور دنیاوی عظمت کی بشارت ہے۔ جب تم آل رسول کی سنت پر عمل کرنا سیکھ جاؤ گے تو تمہیں قربانیوں کا فلسفہ خود معلوم ہو جائے گا اور کھوئی ہوئی عظمت رفتہ بھی مل جائے گی۔

سرمایہ ہے خون شہید روز ازل سے
منشور بل احیاء کے عنوان جلی کا

عقائد و نظریات

ڈاکٹر امجد رضا امجد

تقلید
امت کا اجماعی موقف

در راہ عشق وسوسہء اہرمن بس است
ہشدار گوش دل بہ پیام سروش را

تقلید کو ہر زمانے میں امت کے اجماعی موقف کا درجہ حاصل رہا ہے، اس پر علوم دینیہ کی پوری تاریخ شاہد ہے یہی وجہ ہے کہ اس اجماعی موقف پر جب بھی کسی طبقے نے ''توحید خالص'' کے جوش احیاء میں قدغن لگانا چاہا ہے اور اس سے انکار کی راہ اپنائی ہے تو اسے شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری میں جب فرقہ ظاہریہ کے امام ابوداؤد ظاہری نے تقلید سے انکار کا نظریہ اپنایا تو انہیں اہل سنت سے خارج قرار دیا گیا۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''داؤد ظاہری و متابعانش را از اہل اسنت شمرون درچہ مرتبہ از جہل و سفاہت است'' ① چوتھی صدی میں علامہ ابن حزم نے تقلید سے انکار کیا تو ان کی کتابیں جلا دی گئیں یا دریا برد کر دی گئیں۔ کچھ اسی طرح آٹھویں صدی ہجری میں جب ابن تیمیہ اور ابن قیم نے تقلید پر کلام کیا تو ان کی بھی مخالفت ہوئی اور انہیں ''سیئی العقل'' اور ''الا ان فی عقلہ شیئاً'' کہہ کر امت کو ان سے ہوشیار کر دیا گیا۔

تقلید شخصی کی روایت یوں تو باضابطہ دوسری صدی میں قائم ہوئی مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کا رشتہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صحابہ سے جڑا ہوا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ترجمہ: ''عہد صحابہ سے ظہور مذاہب اربعہ تک علماء کرام میں سے جس پر بھی اتفاق ہوتا لوگ ان کی تقلید کرتے رہے۔ اور یہ عمل بغیر کسی اعتراض کے برابر جاری رہا اگر تقلید باطل ہوتی تو وہ لوگ ضرور اس کی مخالفت کرتے''۔ ②

اس لئے حضرت شاہ ولی اللہ نے تقلید کو الہام الٰہی سے تعبیر کیا ہے چنانچہ آپ غایۃ الانصاف ص ۶۷ میں فرماتے ہیں: ترجمہ: ''خلاصہ کلام یہ کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید ایک راز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علماء کرام کے دل میں ڈال دیا ہے''۔

حضرت شاہ صاحب قبلہ کی اس عبادت کو اگر بڑے کینوس پر پھیلا کر دیکھا جائے تو اس میں تقلید کی پوری عملی تاریخ سمٹی ہوئی نظر آئے گی جس کی تفصیل کتب اسماء الرجال اور دیگر معتمد کتب مثلاً الجواہر المضیہ، تہذیب التہذیب، تہذیب الاسماء واللغات للنووی، تذکرۃ الحفاظ، تاریخ بغداد، جامع البیان والعلم وفضلہ، مفتاح السعادہ، تاریخ الخلفاء للسیوطی، تاریخ ابن خلدون وغیرہ میں موجود ہے۔ حضرت شاہ صاحب کو ماننے کا دعویٰ کرنے کے باوجود عام غیر مقلدین ان کے نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ خیر القرون سے چوتھی صدی تک تقلید کا وجود نہیں تھا اور یہ کہ تقلید چوتھی صدی کی بدعت ہے مگر ان مذکورہ کتابوں میں یہ صراحت موجود ہے کہ چوتھی صدی سے قبل بھی امام معین اور مذہب متعین کی تقلید رائج تھی۔ اور اس وقت ان کے مقلدین میں جلیل القدر علماء مفسرین، محدثین اور قاضی القضاۃ حضرات تک شامل تھے۔ تفصیل کیلئے ان کتابوں سے رجوع کریں۔

تقلید ائمہ اور اجماع امت: خیر القرون سے ظہور مذاہب اربعہ تک امت میں کئی ایک مجتہد مطلق ہوئے اور ایک خاص مدت تک سب ہی کی تقلید ہوتی رہی جن میں حضرت امام اوزاعی المتوفی ۱۵۷ھ۔ حضرت امام ابن خزیمہ المتوفی ۳۱۱ھ، امام ابن جریر طبری اور حضرت امام ابوثور المتوفی ۲۴۰ھ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ چنانچہ علامہ برہان الدین ابراہیم علی المالکی اپنی کتاب الدیباج المذاہب میں اس تعلق سے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''شام اور جزیرہ اندلس میں حضرت

امام اوزاعی کا مذہب غالب تھا اور دو صدیوں کے بعد ان کا مذہب ختم ہوگیا اور وہاں امام مالک کا مذہب غالب آ گیا۔ اور امام حسن بصری اور امام سفیان ثوری کے پیروکار زیادہ نہ تھے اور نہ ان کی تقلید کا زمانہ لمبا تھا بلکہ جلد ہی ان کا مذہب ختم ہوگیا۔ باقی رہے امام طبری اور امام ابوثور کے مقلد، تو یہ بھی زیادہ نہ تھے اور نہ ان کی تقلید کا زمانہ لمبا تھا اور امام ابو ثور کے مقلد تیسری صدی کے بعد اور امام طبری کے پیروکار چوتھی صدی کے بعد ختم ہوگئے۔''

اور پھر اس کے بعد بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: ''بجز مذاہب اربعہ کے اور سارے مذاہب ختم ہوگئے تب انہیں مذاہب اربعہ کا اتباع سواد اعظم کا اتباع قرار پایا اور ان چاروں مذہب سے نکلنا سواد اعظم کے مرادف ٹھہرا''۔③

مذاہب اربعہ کی تقلید پر اجماع ہوجانے کی شہادت دیتے ہوئے حضرت شاہ صاحب پھر لکھتے ہیں: ''یعنی تمام امت نے یا امت کے قابل اعتماد افراد نے مذاہب اربعہ مشہورہ کی تقلید کے جواز پر اجماع کر لیا ہے جو آج تک جاری ہے''۔④

علامہ ابن خلدون نے ائمہ اربعہ میں تقلید کے انحصار اور اس پر اجماع امت کی حکمت بڑی وضاحت سے بیان کی ہے۔ چنانچہ وہ مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں: ''دیار وامصار میں انہی ائمہ اربعہ کی تقلید منحصر ہوگئی اور ان کے سوا جو امام تھے ان کے مقلد ناپید ہوگئے۔ اور لوگوں نے اختلافات کے دروازے بند کر دیئے اور چونکہ اصطلاحات علمیہ مختلف ہوگئیں اور لوگ مرتبہ اجتہاد تک پہنچنے سے رہ گئے اور اس امر کا اندیشہ پیدا ہوگیا کہ اجتہاد کے میدان میں غیر اہل لوگ نہ کود پڑیں اس لئے علمائے زمانہ میں جو محتاط تھے انہوں نے اجتہاد سے اپنا عجز ظاہر کر دیا اور اس کے دشوار ہونے کی تصریح فرمادی اور انہی ائمہ مجتہدین کی تقلید کی رہنمائی کرنے لگے لوگ جن کے مقلد ہو رہے تھے، اس لئے کہ کبھی ایک امام اور کبھی دوسرے امام کی تقلید کرنے میں دین کھلونا بن جاتا۔ اب صرف نقل مذہب رہ گیا اور بعد تصحیح اصول واتصال سند بالروایہ ہر مقلد اپنے اپنے امام مجتہد کی تقلید کرنے لگا اور فقہ سے آج بجز اس امر کے کچھ اور مطلب نہیں۔ اور فی زمانہ مدعی اجتہاد مردود اور اس کی تقلید مہجور ومتروک ہے اور اہل اسلام انہی ائمہ اربعہ کی تقلید پر گامزن ہوگئے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب قبلہ بھی اس اجماع کو مصلحت سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں بہت سے مصلحتیں ہیں جو پوشیدہ نہیں بالخصوص اس زمانہ میں کہ ہمتیں پست ہوگئیں اور انسانوں میں خواہشات کا غلبہ، اور ہر رائے والا اپنی رائے پر مغرور ہے۔⑤

اجتہاد اور اس کی شرائط: علامہ ابن خلدون اور شاہ صاحب نے ائمہ اربعہ میں تقلید کے انحصار کی جو علت و مصلحت بیان کی ہے وہ **عجز عن الاجتہاد** ہے۔ یہاں فطری طور پر یہ سوال ابھرتا ہے کہ آخر اجتہاد کے لئے کس علمی معیار کی ضرورت ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا اور اس عہد کے بڑے بڑے فقہا ومحدثین وعلماء ومفسرین اور اولیاء کاملین نے بھی خود کو اجتہاد سے کنارہ کش رکھا اور تقلید ائمہ اربعہ میں ہی عافیت سمجھی۔ اس سلسلے میں اصول فقہ کی درسی اور متداول کتابوں مثلاً **نور الانوار، مسلم الثبوت، فواتح الرحموت، التوضیح و التلویح، کتاب الملل و النحل** اور **منہاج الاصول** وغیرہ میں پوری تفصیل موجود ہے۔ یہاں امام عبدالکریم شہرستانی المتوفی ۵۴۸ھ کی کتاب **الملل والنحل**، ج:۱ سے حوالہ ملاحظہ کریں جس میں جامعیت کے ساتھ اجتہاد کی شرطیں بیان کردی گئی ہیں:

اجتہاد کی شرطیں یہ ہیں (۱) بقدر ضرورت لغت عربیہ کی معرفت ہو اور الفاظ وضعیہ اور استعاریہ اور نص وظاہر، عام وخاص، مطلق ومقید، مجمل ومفصل، فحوائے خطاب اور مفہوم کلام میں تمیز کرنے کی اہلیت ہو۔

(۲) قرآن کریم کی تفسیر خصوصاً جو احکام سے متعلق ہے کی معرفت ہو۔

(۳) پھر احادیث کی ان کی اسانید اور متون کے ساتھ معرفت اور ناقلین اور رواۃ کے احوال کی معرفت کا احاطہ ہو۔

(۴) پھر حضرات صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین وغیرہم سلف صالحین کے اجماع کے مواقع کی معرفت تاکہ مجتہد کا اجتہاد اجماع کے خلاف نہ واقع ہو (۵) پھر قیاسات کے مواقع اور استقلال کی کیفیت اور ان میں غور وفکر کرنے کے مواقع کی شناسائی اور ہدایت ہو۔

شرائط اجتہاد میں امام احمد رضا کا موقف: امام احمد رضا بریلوی نے اپنے رسالہ **الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی** میں غیر مقلدین کا رد کرتے ہوئے انتہائی منضبط اور توضیحی انداز میں اجتہاد کے شرائط بیان فرمائے ہیں۔ اس سے جہاں مرتبہ اجتہاد کی عظمت واہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں خود امام احمد رضا کی فقہی بصیرت اور علم حدیث وفن اسماء الرجال میں مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ آپ ان شرائط کو چار خانوں میں تقسیم کرکے اسے یوں بیان کرتے ہیں۔

منزل اول: نقد رجال کہ ان کے مراتب ثقہ وصدق وحفظ وضبط اور ان کے بارے میں ائمہ شان کے اقوال ووجوہ طعن ومراتب توثیق ومواضع تقدیم، جرح وتعدیل وحوامل طعن ومناشی توثیق ومواضع تحامل وتساہل وتحقیق پر مطلع ہوا، استخراج مرتبہ اتقان راوی بنقد روایات وضبط مخالفات واوہام وخطیات وغیرہا پر قادر ہو، ان کے اسامی القاب وکنی وانساب و وجوہ مختلفہ تعبیر رواۃ خصوصاً اصحاب تدلیس شیوخ وتعیین مبہمات ومتفق ومتفرق ومختلف وموتلف سے ماہر ہو، ان کے موالید ووفیات وبلدان ورحلات ولقاء وسماعات واساتذہ وتلامذہ وطرق تحمل ووجوہ اداوتدلیس وتسویہ وتغیر واختلاط وآخذین من قبل وآخذین من بعد وسامعین حالین وغیرہا تمام امور ضروریہ کا یہ حال اس پر ظاہر ہو۔ ان سب کے بعد صرف سند حدیث کی نسبت اتنا کہہ سکتا ہے کہ صحیح یا حسن یا صالح یا ساقط یا باطل یا معضل یا مقطوع یا مرسل یا متصل ہے۔

اس کے بعد **دوسری منزل** اس طرح بیان کی: صحاح وسنن ومسانید وجوامع ومعاجیم واجزا وغیرہا کتب احادیث میں اس کے طرق مختلفہ الفاظ متنوعہ پر نظر تام کرے کہ حدیث کے تواتر یا شہرت یا فردیت نسبیہ یا غرابت مطلقہ یا شذوذ یا نکارت واختلافات، رفع ووقف وقطع ووصول ومزید فی متصل الاسانید اضطرابات سند ومتن وغیرہا پر اطلاع پائے۔ نیز اس جمع طرق واحاطہ الفاظ سے رفع ابہام ودفع اوہام وایضاح خفی واظہار مشکل وابانت مجمل وتعیین محتمل ہاتھ آئے ولہٰذا امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں ہم جب تک حدیث کو ساٹھ وجہ سے نہ لکھتے اس کی معرفت نہ پاتے۔ اس کے بعد اتنا حکم کرسکتا ہے کہ حدیث شاذ یا منکر معروف یا محفوظ مرفوع یا موقوف فرد یا مشہور کس مرتبہ کی ہے۔

منزل سوم کے تعلق سے فرمایا: اب علل خفیہ وغوامض دقیقہ پر نظر کرے جس پر صدہا سال سے کوئی قادر نہیں۔ اگر بعد احاطہ وجوہ اعلال تمام علل سے منزہ پائے تو یہ تین منزلیں طے کرکے صرف صحت حدیث بمعنی مصطلح اثر پر حکم لگا سکتا ہے۔ تمام حفاظ حدیث واجلہ نقاد وناو اصلان ذروۂ شامخہ اجتہاد کی رسائی صرف اس منزل تک ہے...... برادران باانصاف انہیں منازل کی دشواری دیکھیں جس میں ابوعبداللہ حاکم جیسے محدث جلیل القدر پر کتنے عظیم شدید مواخذے ہوئے۔ امام ابن حبان جیسے ناقد بصیر تساہل کی طرف نسبت کئے گئے۔ ان دونوں سے بڑھ کر امام اجل ابوعیسیٰ ترمذی تصحیح وتحسین میں متساہل ٹھہرے۔ امام مسلم جیسے جبل رفیع نے بخاری وابوزرعہ کے لوہے مانے۔

چوتھی منزل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: باقی رہی منزل چہارم، اور تو نے کیا جانا کیا ہے منزل چہارم، سخت ترین منازل دشوار ترین مراحل جس کے سائر نہیں مگر اقل قلائل اس کی قدر کون جانے

گدائے خاک نشینے کو حافظا مخروش

کہ نظم مملکت خویش خسرواں دانند

اس لئے کہ واجب ہے کہ جمیع لغات عرب وفنون ادب ووجوہ تخاطب وطرق تفاہم واقسام نظم وصنوف معنی وادارک علل وتنقیح مناط واستخراج جامع وعرفان مانع وموارد تعدیہ ومواضع قصر ودلائل حکم آیات واحادیث واقاویل صحابہ وائمہ فقہ قدیم وحدیث ومواقع تعارض واسباب ترجیح ومناہج توفیق ومدارج دلیل ومعارک تاویل ومسالک تخصیص ومناسک تقیید ومشارع قیود وشوارح مقصود وغیر ذلک پر اطلاع تام ووقوف عام ونظر غائر وذہن رفیع وبصیرت ناقدہ وبصر منیع رکھتا ہو۔

امام احمد رضا مذکورہ منازل پر گفتگو کے بعد امام شیخ الاسلام زکریا انصاری کا یہ قول نقل کرتے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ کہاں یہ شرائط اور کہاں یہ لوگ؟ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ترجمہ: ''یعنی خبردار مجتہد کے کسی قول پر انکار یا اسے خطا کی نسبت نہ کرنا جب تک شریعت مطہرہ کی تمام دلیلوں پر احاطہ نہ کرلو، جب تک تمام لغات عرب جن پر شریعت

مشتمل ہے پہچان نہ لو جب تک ان کے معانی اور ان کے راستے جان نہ لو۔ واین لکم بذالک بھلا کہاں تم اور کہاں یہ احاطہ!⑥

ان شرائط کو لکھنے کے بعد امام احمد رضا نے لکھا ہے کہ جو شخص ان چاروں منازل کو طے کر جائے وہ بھی مجتہد مطلق نہیں مجتہد فی المذاہب ہے۔ جیسے مذہب حنفی میں امام ابو یوسف، امام محمد رحمہما اللہ ہے۔ اور یہ حضرات بھی بایں جلالت شان اصول میں امام اعظم کے متبع اور مقلد ہیں اور اگرچہ بعض مسائل میں انہوں نے امام اعظم سے اختلاف کیا ہے مگر بقول امام ابو یوسف: ترجمہ: ''کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں نے کسی مسئلے میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کا خلاف کر کے غور کیا ہو مگر یہ کہ انہیں کے مذہب کو آخرت میں زیادہ وجہ نجات پایا اور بار ہا ہوتا کہ میں حدیث کی طرف جھکتا پھر تحقیق کرتا تو امام مجھ سے زیادہ حدیث صحیح کی نگاہ رکھتے۔''⑦

علامہ ابن عابدین شامی نے ردالمحتار میں بعض اکابر فقہا کی نسبت تصریح کی کہ یہ حضرات مخالف مذہب درکنار روایات مذہب میں ایک کو راجح بتانے کے اہل نہیں۔ چنانچہ کتاب الشہادت باب القبول میں ہے: ''ابن الشحنہ لم یکن من اهل الاختیار''۔ کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ الفطر میں ہے: ''البهنسی لیس من اصحاب التصحیح'' کتاب النکاح باب الحضانہ میں ہے: ''صاحب النهر لیس من اهل الترجیح'' بلکہ اکابر ارکین مذہب مثلاً امام کبیر علامہ خصاف، امام اجل علامہ ابو جعفر طحاوی، امام ابو الحسن کرخی، امام شمس الائمہ حلوانی، امام شمس الائمہ سرخسی، امام فخر الاسلام علی بزدوی، امام فخر الدین قاضی خاں، امام ابو بکر رازی، امام ابو الحسن قدوری، امام برہان الدین مرغینانی وغیرہ کے متعلق علامہ ابن کمال پاشا کے حوالہ سے نقل کیا کہ: ''انهم لا یقدرون علی شئی من المخالفة لا فی الاصول ولا فی الفروع''⑧

اب تقلید کے مخالفین ہی غور کریں کہ جب ان علوم وفنون کی جامع شخصیتوں کا علم بھی اجتہاد کے باب میں علیٰ فرق مراتب ناکافی ہے تو وہ افراد جو ان عظیم فقہاء کے شاگردانِ شاگرد کی شاگردی اور کفش برداری کی بھی اہلیت نہیں رکھتے وہ کس طرح مجتہد ہونے کا دعویٰ کرتے اور امت کے اجماعی موقف سے انحراف کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امت کے جن فقہاء و محدثین ومفسرین نے تقلید کو اختیار کیا اور امام معین کی پیروی کی وہ اجتہاد کی حقیقت اور اس راہ کی دشواریوں سے واقف تھے۔ خشیت الٰہی سے ان کا دل لبریز تھا اس لئے انہوں نے اپنے علم پر غرور کرنے کی بجائے اجتہاد سے اپنے عجز کا اعتراف کیا اور تقلید کی طرف راجع ہو گئے، جیسا کہ علامہ ابن خلدون کے حوالہ سے گزرا۔ اس سلسلے میں ایک اور حوالہ امام شعرانی کی کتاب ''میزان الشریعہ الکبریٰ'' سے ملاحظہ کریں۔ غیر مقلدین کے پیشوا میاں نذیر حسین دہلوی نے اپنے ایک فتویٰ میں حضرت امام شعرانی کے بارے میں لکھا ہے کہ 'بے شک جو منصف مزاج ہے وہ امام شعرانی کے منصب کامل اجتہاد میں شک نہیں کرسکتا'' وہی علامہ شعرانی خود تقلید کے تعلق سے اپنا نظریہ واضح کرتے ہوئے میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں: ترجمہ: ''مقلد پر واجب ہے کہ خاص اسی بات پر عمل کرے جو اس کے مذہب میں راجح ٹھہری ہو۔ ہر زمانے میں علماء کا اسی پر عمل رہا ہے۔''⑨

وہی امام شعرانی امام الحرمین، حجۃ الاسلام غزالی و کیاہراسی و ابن سمعانی وغیرہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان حضرات نے اپنے شاگردوں کو ایک امام معین کی تقلید کی تعلیم دی اور یہ بھی فرمایا کہ اگر امام معین کے مذہب سے عدول کرو گے تو خدا کے حضور تمہارے لئے کوئی عذر نہ ہوگا۔ چنانچہ آپ کے الفاظ ہیں: ''به صرح امام الحرمین و ابن سمعانی والغزالی والکیاهراسی و غیرهم وقالو التلامیذهم یجب علیکم التقلید بمذهب امامکم ولا عذر لکم عندالله تعالیٰ فی العدول عنه''⑩

اگر تقلید کے تعلق سے دوسری صدی ہجری سے لے کر آج تک عالم اسلام کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ایک ارب سے زیادہ مسلمانوں میں اکثریت مقلدین کی رہی ہے اور آج بھی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون اپنے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ: ''حضرت امام ابو حنیفہ کے مقلد اس وقت عراق، ہندوستان، چین، ماوراء النہر اور عجم کے تمام شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔''

اسی طرح علامہ شکیب ارسلان فرماتے ہیں کہ: ''مسلمانوں کی اکثریت حضرت امام ابوحنیفہ کی مقلد ہے یعنی سارے ترک اور بلقان کے مسلمان روس اور افغانستان کے مسلمان چین کے مسلمان ہندوستان اور عرب کے اکثر مسلمان شام و عراق کے اکثر مسلمان فقہ میں حنفی مسلک کے حامل ہیں اور شام کے بعض اور حجاز، یمن، حبشہ، جاوا، انڈونیشیا اور کردستان کے مسلمان حضرت امام شافعی کے مقلد ہیں اور مغرب کے مسلمان مغربی اور وسط افریقہ کے مسلمان اور مصر کے کچھ لوگ حضرت امام مالک کے مقلد ہیں اور عرب کے بعض مسلمان اور شام کے بعض باشندے جیسے نابلس اور دومہ کے رہنے والے حضرت امام بن حنبل کے مقلد ہیں''۔ (۱۱)

ان ممالک میں پھیلے ہوئے جلیل القدر مقلد علماء، فقہاء، مفسرین، محدثین اور مورخین کی فہرست بنائی جائے جن کے تفصیلی حالات طبقات مفسرین، طبقات المحدثین، طبقات الفقهاء، طبقات المورخين، طبقات حنفيه، طبقات شافعيه، طبقات حنابله، الديباج المذاهب، الجواهر المضيه اور الفوائد البيهه میں مذکور ہیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ تحقیق کیلئے ان کتابوں سے رجوع کیا جائے۔

نظریہ تقلید اور ہندوستانی علماء و مشائخ: عالم اسلام میں تقلید کی عہد بہ عہد تاریخ اس کی ضرورت مصلحت اور دیگر تفصیلات سے قطع نظر جہاں تک ہندوستان کے فقہا، صوفیہ، علماء اور مفسرین و محدثین کے تقلیدی نظریات کی بات ہے تو اس سلسلے میں ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں یہ حقیقت صاف دیکھی جا سکتی ہے کہ انگریزوں کے دور استعمار سے قبل ہندوستان میں غیر مقلدیت کا وجود تک نہ تھا۔ یہ وبا انگریزوں کے ساتھ ہی ہندوستان میں داخل ہوئی۔ یہاں اس تعلق سے اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف چند اشارے ملاحظہ فرمائیں:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے حوالے سے مختلف عبارتیں اس سے پہلے گزر چکیں کہ وہ تقلید کے حامی تھے اور محض علم نہیں کشف کے ذریعہ انہیں اطمینان کرادیا گیا تھا کہ مذہب حنفی عمدہ طریقہ اور سنت صحیحہ کے موافق ہے چنانچہ شاہ صاحب اپنی کتاب فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں: ترجمہ: ''مجھے رسول اکرم ﷺ نے بتایا کہ مذہب حنفی عمدہ طریقہ ہے جو ہمارے سنت کے موافق ہے اور جسے امام بخاری وغیرہ کے زمانے میں وضاحت سے جمع کیا گیا''۔

یہی وجہ تھی کہ آپ نے حنفی مذہب کی حمایت اور لوگوں کو اسی پر کامل ہونے کی تعلیم بھی دی اور غیر مقلدیت کے فتنے سے لوگوں کو آگاہ بھی کیا۔ چنانچہ آپ اپنی کتاب عقد الجید ص ۳۶ پر لکھتے ہیں: ترجمہ: ''ان چاروں مذاہب کے اختیار کرنے میں ایک عظیم مصلحت اور غیر مقلدیت میں بڑا فساد ہے''۔

ہندوستان کے ایک جلیل القدر عالم مولانا عبدالحئ فرنگی محلی کی ایک تحریر میں شاہ صاحب کے بیان کردہ اس فساد کی پوری تفصیل موجود ہے چنانچہ مولانا فرنگی محلی اپنی کتاب الآثار المرفوعه في الاخبار الموضوعة میں لکھتے ہیں: ترجمہ: ''مجھے اپنے زندگی کے خالق کی قسم غیر مقلدین کا فساد برپا کرنا مشہور ہے جو لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث کہلاتے ہیں۔ انہیں محدثین سے کیا تعلق؟ یہ لوگ پورے ہندوستان اور بعض دیگر ممالک میں پھیل چکے ہیں اور ان کی فسادی ذہنیت کی وجہ سے ان ممالک میں فساد و نزاع واقع ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے شکوہ اور عاجزی و التجا ہے۔ اسلام کی ابتدا بھی غربت میں ہوئی اور یہ غربت کی طرف ہی لوٹے گا پس غربا کیلئے خوشخبری ہے۔ بے شک ایسے مفسد و ملحد زمانہ گزشتہ میں بھی ظاہر ہوئے لیکن اکابر ملت اور امت کے بادشاہوں نے ان سے قتال کیا اور اس فتنہ کو نابود کر دیا مگر ہمارے زمانے میں جبکہ ہندوستان میں اسلامی سلطنت ہی باقی نہ رہی تو یہ فتنے عام ہو گئے اور ان کے فتنوں نے اللہ کے بندوں کو مشقتوں میں ڈال دیا''۔

خود غیر مقلدین کے مشہور عالم محمد حسین بٹالوی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ جو لوگ مجتہد مطلق ہونے کا دعویٰ کرتے اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر میں بے دین ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر

اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفر وارتداد اور فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہوجانے کیلئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔'' (۱۲)

ہندوستان کی اسلامی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ عہد برطانوی عدم تقلید کے حامل علماء کی مسلسل کاوشوں کا عہد ہے اور اس فرقے نے انگریزی حکومت ہی کے سہارے ہندوستان میں اپنے اثرات بدقائم کرنے شروع کئے، جس کے توڑ کیلئے قدرت نے اس عہد میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا جیسی شخصیت کو پیدا فرمایا، جنھوں نے اپنی ۶۴ ر سالہ زندگی میں دیگر علمی، ملی اور مذہبی خدمات کے ساتھ، علمی وعقلی محاذ پر نظریہ تقلید کی بھی مدافعت کا حق ادا کر دیا اور اپنی تحریری کاوشوں سے پوری اسلامی دنیا میں بیداری کی لہر پیدا فرمادی۔ اس سلسلے میں آپ کا مجموعہ فتاویٰ (فتاویٰ رضویہ) اور بعض رسائل مثلاً:

(۱)الفضل الموهبی فی معنی اذا صح الحدیث فهو مذهبی

(۲)النهی الاكید عن الصلاة وراء عدی التقلید

(۳)النیر الشهابی علی تدلیس الوهابی

(۴)السهم الشهابی علی خداع الوهابی

(۵)البارقة الشارقة علی معركة المشارقة

(۶)سیف المصطفیٰ علی ادیان الافتراء

(۷)نشاط السكین علی حلق البقر السمین

(۸)المقالة المسفرة عن احكام البدعة المكفرة

اہل تحقیق وطالب حق کے لئے خصوصیت سے قابل توجہ ہیں۔ آپ کے بعد آپ کے جلیل القدر تلامذہ وخلفاء نے آپ کے مشن کو آگے بڑھایا، اہل توہب کی سازشوں کی نقاب کشائی کی، فتنۂ غیر مقلدیت کے استیصال کے لئے تحریری وتقریری ہر طرح کی جدوجہد کی، جس کا حسین ثمرہ ہے کہ آج بھی اس ملک میں مقلدین کی غالب اکثریت ہے۔ غیر مقلدین حضرات عصبیت سے خالی الذہن ہوکر تھوڑی دیر کیلئے اپنے امام ابن تیمیہ کے قول: ''اما اجماع الامة فهو فی نفسه حق لاتجتمع الامة علی الضلالة'' پر غور کریں تو یقیناً انہیں قبولیت حق میں مدد ملے گی اور امت مسلمہ کے درمیان سے ایک بڑا افساد ختم ہوجائے گا۔

......☆حوالہ جات☆......

① النهی الاكید عن الصلاة و راعدی التقلید، از: امام احمد رضا

② عقد الجید، ص:۳۳

③ عقد الجید، ص:۳۸

④ حجة الله البالغه، ج:۱ص:۲۳

⑤ حجة الله البالغه

⑥ الفضل الموهبی، ص۱۴/ بحوالہ میزان الشریعة الكبریٰ

⑦ الفضل الموهبی، ص۱۵

⑧ الفضل الموهبی، ص۱۶

⑨ النهی الاكید، ص۴۳

⑩ الفضل الموهبی، ص۴۱

⑪ حاشیه حسن المساعی

⑫ خیر التنقید، ص۶



سیدی اعلیٰ حضرت

میثم عباس قادری رضوی

اعلیٰ حضرت کی ردشیعیت میں خدمات کا اعتراف علمائے دیوبند کے قلم سے

امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے متعلق دیوبندی فرقہ کی جانب سے یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ سیدی اعلیٰ حضرت شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے جیسا کہ ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی صاحب نے ''مطالعہ بریلویت'' اور ان کی کتاب سے سرقہ کر کے مولوی الیاس گھمن دیوبندی صاحب نے مسروقہ کتاب مسمّٰی بنام ''فرقہ بریلویت پاک وہند کا تحقیقی جائزہ'' میں دجل وفریب سے کام لیتے ہوئے سیدی اعلیٰ حضرت کو شیعہ نظریات کا حامل قرار دیتے ہوئے شیعہ ہونے کی تہمت لگائی ہے اور یہی راگ ان کے پیروکار و دیگر دیوبندی حضرات بھی الاپتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن جب دیوبندی علماء سے ان کے اس موقف پر دلیل طلب کی جاتی ہے تو چوں کہ یہ علمی دلائل سے یکسر تہی دامن ہوتے ہیں اس لئے سوائے دجل وفریب کے کچھ بھی ان کے پاس نہیں ہوتا۔

کھلا چیلنج: آج بھی دنیائے نجدیت و دیوبندیت کو میرا یہ کھلا چیلنج ہے کہ سیدی اعلیٰ حضرت کا شیعہ کی ہم نوائی میں کوئی ایک ایسا عقیدہ بیان کریں جس کا علمائے اسلام میں سے کوئی بھی قائل نہ ہو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ ایسا ثابت نہیں کر سکیں گے بلکہ قارئین کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ دیوبندی فرقہ ہی کے کئی علماء اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ سیدی اعلیٰ حضرت نے شیعہ کا بہترین رد کیا ہے، اس کے علاوہ دیوبندی علماء اعلیٰ حضرت کو تعظیمی و دعائیہ کلمات سے بھی یاد کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت پر شیعیت کی تہمت لگانے والے دیوبندی علماء کے اس مکروہ پروپیگنڈے کی وجہ سے میں نے مناسب سمجھا کہ ان کے اس بے بنیاد الزام کا جواب بھی علمائے دیوبند ہی کے حوالہ جات کو جمع کر کے دے دیا جائے جس سے سیدی اعلیٰ حضرت پر شیعیت کی تہمت کا جھوٹ ہونا خود علمائے دیوبند کے قلم سے ہی ثابت ہو جائے گا ان شاء اللہ۔

شیعیت کے خلاف اعلیٰ حضرت نے اکابر علمائے دیوبند سے سخت فتویٰ دیا ہے:

۱۔ مسلکِ دیوبند کے مشہور عالم دین مولوی قاضی مظہر حسین دیوبندی صاحب نے ردِشیعیت کے متعلق اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ تسلیم کیا کہ شیعہ کے خلاف سیدی اعلیٰ حضرت نے اکابرِ دیوبند سے سخت فتویٰ دیا ہے۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ: ''حساس بریلوی علماء بھی شیعہ جارحیت کے مخالف ہیں اور بریلوی مسلک کے امام جناب مولانا احمد رضا خاں مرحوم نے روافض کے خلاف اکابر علمائے دیوبند سے بھی سخت فتویٰ دیا ہے چنانچہ آپ کا ایک رسالہ ''رد الرفضہ'' ہے جس کے شروع میں ہی ایک استفتا کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: ''رافضی تبرائی جو حضراتِ شیخین صدیق اکبر و فاروقِ اعظم میں سے ایک کی شان میں گستاخی کرے اگرچہ صرف اسی قدر کہ انہیں امام و خلیفہ حق نہ جانے کتب معتمدہ فقہ حنفی کی تصریحات اور عامہ ائمہ ترجیح وفتویٰ کی تصحیات پر مطلقاً کافر ہے''۔ (در مختار، مطبع ہاشمی، صفحہ ۶۴، میں ہے الخ)

بحر الرائق کے حوالہ سے لکھتے ہیں ''صحیح یہ ہے کہ ابوبکر یا عمر کی امامت وخلافت کا منکر کافر ہے''۔ (صفحہ ۶)

''شیخین کو برا کہنا ایسا ہے جیسا کہ نبی کی شان میں گستاخی کرنا اور امام صدر شہید نے فرمایا جو شیخین کو برا کہے یا تبرا بکے کافر ہے'' (صفحہ ۱۲)

''شفا مولفہ قاضی عیاض محدث کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''اور اس طرح ہم یقینی کافر جانتے ہیں ان غالی رافضیوں کو جو ائمہ کو انبیا سے افضل بتاتے ہیں''۔ (صفحہ ۲۱) (ماہنامہ حق چاریار، لاہور، جون۔ جولائی ۱۹۹۰ء، صفحہ ۵۰)

۲۔ قاضی مظہر حسین دیوبندی صاحب اپنی کتاب ''یادگارِ حسین'' میں لکھتے ہیں کہ ''بریلوی اہلِ سنت کے علماء ماتم و تعزیہ وغیرہ کو ناجائز اور

حرام ہی قرار دیتے ہیں‘‘۔ (یادگارِ حسین، صفحہ۱۴، شائع کردہ تحریک خدام اہل سنت، چکوال ضلع جہلم پاکستان، طبع دوم، ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ)

۳۔ اسی کتاب میں قاضی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ’’بریلوی مسلک کے امام حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم کے فتاویٰ میں ہے:

(الف) محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) ناجائز ہے کہ وہ مناہی اور منکرات سے مملو ہوتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ (عرفانِ شریعت، صفحہ۱۵)

(ب) تعزیہ بنانا اور اس پر نذر کرنا، عرائض بہ امید حاجت براری لٹکانا اور بہ نیت بدعت حسنہ اس کو داخلِ سنت جاننا کتنا گناہ ہے؟ (الجواب) افعالِ مذکورہ جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں بدعت وممنوع وناجائز ہیں انہیں داخلِ ثواب جاننا اور موافق شریعت اور مذہب اہل سنت ماننا اس سے سخت تر وخطائے عقیدہ جہل اشد ہے‘‘۔ (رسالہ تعزیہ داری، صفحہ۱۵)

(ج) تعزیہ آتا دیکھ کر اعراض وروگردانی کریں اس طرف دیکھنا ہی نہ چاہئے۔ (عرفان شریعت، حصہ اول، صفحہ۱۵) (یادگارِ حسین، صفحہ۱۴، شائع کردہ تحریک خدامِ اہل سنت، چکوال ضلع جہلم پاکستان، طبع دوم، ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ)

(۴) قاضی مظہر حسین دیوبندی صاحب ردِشیعیت میں لکھی گئی اپنی کتاب ’’بشارات الدارین‘‘ میں بھی لکھتے ہیں کہ: ’’مسلک بریلویت کے پیشوا حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب نے بھی ہندوستان میں فتنۂ رافضیت کے انسداد میں بہت موثر کام کیا ہے اور روافض کے اعتراضات کے جواب میں اصحابِ رسول ﷺ کی طرف سے دفاع کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ منکرینِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تردید میں ’’ردالرفضہ‘‘ ’’رد تعزیہ داری‘‘ ’’الادلۃ الطاعنۃ فی اذان الملاعنۃ‘‘ وغیرہ آپ کے یادگار رسائل ہیں جن میں سنی شیعہ نزاعی پہلو سے آپ نے مذہب اہل سنت کا مکمل تحفظ کر دیا ہے‘‘۔ (بشارات الدارین، صفحہ ۶۶۳، مطبوعہ ادارہ مظہر التحقیق، متصل جامع مسجد ختم نبوت کھاڑی ملتان روڈ لاہور)

(۵) اسی کتاب بشارات الدارین سے سیدی اعلیٰ حضرت کے متعلق کچھ اقتباسات ملاحظہ کیجئے، قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ ’’حضرت مولانا

دین کی تصاویر بطورِ تبرک لینا کیسا ہے؟ تو ارشاد فرمایا ’’کعبہ معظمہ میں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل وحضرت مریم کی تصاویر ہی تھیں کہ یہ متبرک ہیں ناجائز فعل تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے خود دستِ مبارک سے انہیں دھویا۔ (ملفوظات، حصہ دوم، ص۸۷)، (بشارات الدارین، صفحہ ۲۳۹، ناشر ادارہ مظہر التحقیق، متصل جامع مسجد ختم نبوت کھاڑی ملتان روڈ لاہور)

(۶) قاضی صاحب نے اسی کتاب میں ۳ جگہ سیدی اعلیٰ حضرت کا اسمِ گرامی یوں لکھا ہے ’’حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی‘‘۔ (بشارات الدارین، صفحہ ۴۷۰)

’’حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی‘‘۔ (بشارات الدارین، صفحہ ۵۲۳)

’’مولانا بریلوی مرحوم‘‘۔ (بشارات الدارین، صفحہ ۵۲۴)

کتاب ’’یادگارِ حسین‘‘ اور ’’بشارات الدارین‘‘ میں قاضی مظہر دیوبندی صاحب نے سیدی اعلیٰ حضرت کی طرف سے شیعہ کا رد کرنا نقل کیا ہے اور آپ کیلئے ’’حضرت‘‘ کا تعظیمی لفظ لکھا ہے، اس کے علاوہ اپنے ماہنامہ ’’حق چار یار‘‘ اور ’’بشارات الدارین‘‘ میں قاضی صاحب نے اعلیٰ حضرت کو ’’مرحوم‘‘ بھی لکھا ہے۔ اور دورِ حاضر میں سارق الکتب مشہور دیوبندی عالم الیاس گھمن صاحب نے اپنی کتاب ’’فرقہ سیفیہ کا تحقیقی جائزہ‘‘ کے صفحہ ۱۷، ۱۸ پر کسی شخصیت کے ساتھ لفظ ’’مرحوم‘‘ لکھنے کو ’’رحمۃ اللہ علیہ‘‘ کہنے کے مترادف ٹھہرایا ہے۔ گویا دیوبندی حضرات کے ’’مزعومہ اسلام کے متکلم‘‘ الیاس گھمن صاحب کے بیان کئے گئے اصول کے مطابق قاضی مظہر دیوبندی صاحب نے سیدی اعلیٰ حضرت کے لئے ’’مرحوم‘‘ لکھ کر آپ کیلئے رحمت کی دعا کی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قاضی مظہر دیوبندی صاحب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو شیعہ نہیں بلکہ شیعہ مخالف سمجھتے تھے۔

بعض حوالوں سے علمائے اہل سنت (بریلی) کے یہاں تکفیرِ شیعہ سے متعلق زیادہ شدت پائی جاتی ہے۔ (سعید الرحمٰن علوی دیوبندی کا اعتراف)

(۷) اسی طرح خدام الدین لاہور کے سابق ایڈیٹر مولوی سعید الرحمٰن

سے پھیلائی گئی غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:
''پاکستان اور برصغیر کے خصوصی حوالہ سے تحقیق و تجزیہ کرتے ہوئے اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ناگزیر ہے کہ سنی، اثنا عشری کشمکش صرف اہلِ سنت کے حنفی، دیو بندی یا اہل حدیث مسالک تک محدود ہے اور حنفی بریلوی اہلسنّت اور اس فکری و اعتقادی کشمکش سے علیحدہ ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حنفی بریلوی علمائے اہلِ سنت بھی شیعہ اور اثنا عشریہ کے گم راہ کن عقائد کے بارے میں اپنے افکار و فتاویٰ میں اتنے ہی حساس اور شدید ہیں جتنا کہ دیگر سنی مکاتب بلکہ بعض حوالوں سے ان کے ہاں تکفیر اثنا عشریہ و روافض کے حوالہ سے شدت نسبتاً زیادہ پائی جاتی ہے جس کا ثبوت زیر مطالعہ کتاب میں درج اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی (بحوالہ ''ردالرفضہ'' وغیرہ) مولانا عبدالباقی فرنگی محلی مہاجر مدنی، خواجہ محمد قمر الدین سیالوی چشتی سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف و بانی صدر جمعیت علمائے پاکستان نیز مفتی اعظم پاکستان علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری قادری سابق رکن قومی اسمبلی پاکستان و رئیس دار العلوم امجدیہ، کراچی، مفتی خلیل احمد قادری بدایونی خادم دار الافتا بدایوں وغیرہم کے افکار و فتاویٰ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے''۔ (افکار شیعہ، صفحہ ۲۰)

قارئین! نے ملاحظہ کیا سعید الرحمٰن علوی دیو بندی صاحب نے سیدی اعلیٰ حضرت اور دیگر علمائے اہلِ سنت کے متعلق یہ اقرار کر لیا کہ شیعہ کے متعلق ان کے ہاں دیگر مسالک (دیو بندی وہابی) کی نسبت شدت زیادہ ہے۔

(۸) علوی دیو بندی صاحب اسی کتاب میں مزید لکھتے ہیں کہ: ''اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء: اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اب سے قریباً نوے سال پہلے ایک سوال کے جواب میں نہایت مفصل اور مدلل فتویٰ تحریر فرمایا تھا جو ۱۳۲۰ھ میں ''ردالرفضہ'' کے تاریخی نام سے شائع ہوا تھا۔ اس میں مستفتی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے شروع میں تحریر فرمایا ہے: ''تحقیق مقام و تفصیل مرام یہ ہے کہ رافضی تبرائی جو حضرات شیخین صدیق اکبر، فاروق اعظم رضی اللہ عنہما خواہ ان میں سے کسی ایک کی شان میں گستاخی کرے اگر چہ صرف اسی قدر کہ انہیں امام و خلیفہ برحق نہ جانے کتب معتمدہ فقہ حنفی کی تصریحات اور عام ائمہ ترجیح و فتویٰ کی تصحیحات پر مطلقاً کافر ہے'' پھر مولانا مرحوم نے فقہ حنفی کی قریباً چالیس کتب معتمدہ و معتبرہ سے اس کا ثبوت پیش کرنے کے بعد صفحہ ۱۷ پر تحریر فرمایا ہے: ''یہ حکم فقہی تبرائی رافضیوں کا ہے اگر چہ تبرا و افکار خلاف شیخین رضی اللہ عنہما کے سوا ضروریاتِ دین کا انکار نہ کرتے ہوں'' **والا حوط فیه قول المتکلمین انهم ضلال من کلاب النار لا کفار و به ناخذ**'' (اور اس سلسلے میں ماہرین علم العقائد کا محتاط تر قول یہ ہے کہ ایسے لوگ گمراہ، کافر اور جہنم کے کتے ہیں اور ہم اسی رائے سے متفق ہیں) اور روافض زمانہ تو ہرگز صرف تبرائی نہیں علی العموم منکرانِ ضروریاتِ دین اور باجماعِ مسلمین یقیناً قطعاً کفار مرتدین ہیں یہاں تک کہ علما نے تصریح فرمائی ہے کہ جو انہیں کافر نہ جانے خود کافر ہے''۔ سیدنا معاویہ کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

''حضرت امیر معاویہ پر طعن کرنے والا جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے'' (احکام شریعت، صفحہ ۵۵) اعلیٰ حضرت اپنی مشہور تفصیلی فتویٰ ''ردالرفضہ'' میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''بالجملہ ان رافضیوں تبرائیوں کے باب میں حکمِ قطعی اجماعی یہ ہے کہ علی العموم کفار و مرتدین ہیں ان کے ساتھ مناکحت نہ صرف حرام بلکہ خالص زنا ہے، معاذ اللہ مرد رافضی اور عورت مسلمان ہو تو یہ سخت قہر الٰہی ہے۔ اگر مرد سنی اور عورت ان خبیثوں کی ہو جب بھی ہرگز نکاح نہ ہوگا، اولاد ولد الزنا ہوگی، باپ کا ترکہ نہ پائے گی، اگر چہ اولاد بھی سنی ہو کہ شرعاً ولد الزنا کا باپ کوئی نہیں۔ عورت نہ ترکے کی مستحق ہوگی نہ مہر کی زانیہ کیلئے مہر نہیں۔ رافضی اپنے کسی قریب حتیٰ کہ باپ، بیٹے ماں بیٹی کا بھی ترکہ نہیں پا سکتا، سنی تو سنی کسی مسلمان بلکہ کافر کے بھی یہاں تک کہ خود اپنے ہم مذہب رافضی کے ترکے میں اس کا اصلاً کچھ حق نہیں۔ ان کے مرد عورت عالم جاہل کسی سے میل جول سلام و کلام سب سخت کبیرہ اشد حرام۔ جو ان کے ملعون عقیدوں پر آگاہ ہو کر پھر بھی انہیں مسلمان جانے یا ان کے کافر ہونے میں شک کرے بہ اجماع تمام ائمہ دین خود کافر بے دین ہے اور اس کیلئے بھی یہی احکام ہیں جو ان کیلئے مذکور ہوئے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس فتویٰ کو بگوش ہوش سنیں اور اسی پر عمل کر کے سچے پکے

مسلمان سنی بنیں۔ وباللہ التوفیق واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی (محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱ھ عبدالمصطفیٰ احمد رضا خان)

(ردالرفضہ تالیف اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی، صفحہ ۲۹، وراجع ایضاً، متفقہ فیصلہ، مطبوعہ لاہور، حصہ اول، صفحہ ۱۷۷) (افکار شیعہ، صفحہ ۳۱۵، ۳۱۶)

(۹) سیدی اعلیٰ حضرت کو شیعہ قرار دینے والے مولوی ضیاء الرحمٰن فاروقی دیوبندی صاحب کو بالآخر اپنے باطل موقف کو چھوڑ کر سیدی اعلیٰ حضرت ﷺ کی عظمت کو تسلیم کر کے اہلِ سنت کے دروازے پر دستک دینی پڑی اور یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑی کہ اعلیٰ حضرت شیعہ کو کافر کہتے تھے۔ فاروقی دیوبندی صاحب نے اپنی کتاب میں ''اہلِ سنت والجماعت علمائے بریلی کے تاریخ ساز فتاویٰ'' کی سرخی قائم کر کے پیر مہر علی شاہ صاحب کے اسمِ گرامی کے بعد سیدی اعلیٰ حضرت کا اسمِ گرامی یوں لکھا ہے ''اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ''۔ (تاریخی دستاویز، صفحہ ۱۱۳، شعبہ نشرواشاعت سپاہ صحابہ پاکستان)

(۱۰) اس کے اگلے صفحے پر لکھا ہے: ''اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اہم فتویٰ''۔ (تاریخی دستاویز، صفحہ ۱۱۳، شعبہ نشرواشاعت سپاہ صحابہ پاکستان)

ردالرفضہ سے سیدی اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کا ایک اقتباس نقل کر کے ضیاء الرحمٰن فاروقی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں: ''اعلیٰ حضرت کی تصانیف ردِ شیعیت میں'' اعلیٰ حضرت نے ردِ شیعیت میں ''ردالرفضہ'' کے علاوہ متعدد رسائل لکھے ہیں جن میں چند ایک یہ ہیں۔ (۱) الادلۃ المطاعنہ (روافض کی اذان میں کلمہ خلیفہ بلافصل کا شدید رد) (۲) اعالی الافادۃ فی تعزیہ الهند و بیان شهادۃ (۱۳۲۱ھ) تعزیہ داری اور شہادت کا حکم (۳) جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ (۱۳۱۷ھ) (مرزائیوں کی طرح روافض کا بھی رد) (۴) لمعۃ الشمعۃ لهدی شیعۃ الشنیعۃ (۱۳۱۲ھ) (تفضیل وتفسیق سے متعلق سات سوالوں کا جواب) (۵) شرح المطالب فی مبحث ابی طالب (۱۳۶۱ھ) (ایک سو کتب تفسیر وعقائد وغیرہ سے ایمان نہ لانا ثابت کیا) ان کے علاوہ رسائل اور قصائد جو سیدنا غوث الاعظم کی شان میں لکھے ہیں وہ شیعہ روافض کی تردید ہیں''۔ (تاریخی دستاویز، صفحہ ۱۱۴، شعبہ نشرواشاعت، سپاہ صحابہ پاکستان)

(۱۱) اسی کتاب کے صفحہ ۶۵ پر ضیاء الرحمٰن فاروقی دیوبندی صاحب نے سیدی اعلیٰ حضرت کے متعلق ''فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ'' جیسے تعظیمی الفاظ لکھنے کے بعد روافض کے تکفیر کے متعلق ''ردالرفضہ'' سے اقتباس بھی نقل کیا ہے۔

(۱۲) مولوی ضیاء الرحمٰن فاروقی دیوبندی صاحب کی کتاب ''خلافت و حکومت'' کے بیک ٹائٹل (Back Title) پر لکھا ہے۔ ''سپاہ صحابہ کے کارکنوں کے مطالعہ کیلئے لازمی کتابیں'' اور ان کتابوں کی فہرست میں اعلیٰ حضرت ﷺ کا ذکر یوں کیا گیا ہے ''ردالرفضہ مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی'' فاروقی صاحب کی یہ کتاب ان کی زندگی میں ان کے اپنے ادارہ المعارف فیصل آباد کی طرف سے شائع ہوئی تھی۔

شیعہ سنی بھائی بھائی کہنے والا مولانا احمد رضا کا پیرو نہیں۔

(مولوی نافع دیوبندی)

(۱۳) مولوی نافع دیوبندی صاحب نے سیدی اعلیٰ حضرت کے بارے میں لکھا کہ: ''ایک مکتبِ فکر کے مشہور بزرگ علامہ احمد رضا خاں بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ) کی خدمت میں بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ کے مقام ومرتبہ سے متعلق چند اشخاص کے درجِ ذیل نظریات پیش کئے''۔

(سیرت حضرت امیر معاویہ ﷺ، صفحہ ۲۵۱، ۲۵۲، ناشر دار الکتاب غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور)

اس کے بعد مولوی نافع دیوبندی صاحب سائل کا سوال اور سیدی اعلیٰ حضرت کا جواب نقل کر کے لکھتے ہیں: ''اب اگر کوئی حضرت معاویہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو اپنا بھائی کہتا ہے اور سنی شیعہ بھائی بھائی کے نعرے لگاتا ہے تو کیا وہ مولانا احمد رضا خاں کا پیرو کہلانے کے لائق ہے؟ یہ فیصلہ آپ خود کریں''۔ (سیرت حضرت امیر معاویہ ﷺ، جلد اول، صفحہ ۶۵۴، ناشر دار الکتاب غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور)

مولانا احمد رضا نے سیدنا امیر معاویہ ﷺ کے دفاع کا حق ادا کر دیا۔

(مولوی نافع دیوبندی کا اقرار)

(۱۴) مولوی نافع دیوبندی صاحب اسی کتاب میں سیدی اعلیٰ حضرت

کے ۲ رسائل (جو کہ سیدنا امیر معاویہ ﷛ کے متعلق دفاع پر مشتمل ہیں) کا ذکر کر لکھتے ہیں:

''مذکورہ بالا رسائل میں علامہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی طرف سے حضرت امیر معاویہ ﷛ پر مطاعن اور اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا ہے اور حضرت امیر معاویہ ﷛ کی جانب سے عمدہ صفائی پیش کی گئی ہے اور پُر زور طریقہ سے دفاع کا حق ادا کیا ہے نیز ان کے رسائل کے مندرجات سے حضرت امیر معاویہ ﷛ کے حق میں جناب علامہ بریلوی کے عمدہ نظریات صاف طور پر سامنے آگئے اور ان کی عقیدت مندی واضح ہوگئی''۔ (سیرتِ حضرت امیر معاویہ ﷛، جلد اول صفحہ ۲۵۵، ناشر دار الکتاب غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور)

قاضی طاہر علی الہاشمی دیوبندی کا امام احمد رضا کو ''اعلیٰ حضرت'' لکھنا۔

(۱۵) ردِ شیعیت میں متعدد کتب لکھنے والے پروفیسر قاضی طاہر علی الہاشمی دیوبندی، سیدی اعلیٰ حضرت ﷛ کا اسم گرامی یوں لکھتے ہیں: ''اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں''۔ (تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ ﷛، صفحہ ۲۷۹، ادارہ مطبوعات سلیمانی، رحمان مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار لاہور)

اس کے بعد پروفیسر صاحب نے اپنی تائید میں حضرت امیر معاویہ ﷛ کے متعلق سیدی اعلیٰ حضرت کا عقیدہ بیان کیا ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت کی ردِ شیعیت میں خدمات کا اعتراف
(مولوی منظور نعمانی دیوبندی کے قلم سے)

(۱۶) ماہ نامہ الفرقان لکھنؤ کی خصوصی اشاعت بنام ''خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ'' (جو بعد ازاں ماہنامہ بینات کراچی کی خصوصی اشاعت میں بھی شائع ہوا) کے صفحہ ۱۱۷ پر سیدی اعلیٰ حضرت کو ''مولانا مرحوم'' اور ''فاضل بریلوی جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم'' لکھ کر ردِ شیعیت میں سیدی اعلیٰ حضرت کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے جو کہ صفحہ ۱۱۸ تک درج ہے اس کے مرتب مولوی منظور نعمانی دیوبندی ہیں اور اس پر انہوں نے کسی قسم کا انکار نہیں کیا، گویا سیدی اعلیٰ حضرت کو ''مرحوم'' کہنا اور ان کی طرف سے شیعہ کا رد کرنا مولوی منظور نعمانی دیوبندی کو بھی تسلیم ہے کیوں کہ مولوی سرفراز خاں صفدر گکھڑوی، کڑمنگی لکھتے ہیں کہ:

''جب کوئی مصنف کسی کا حوالہ اپنی تائید میں نقل کرتا ہے اور اس کے حصہ سے اختلاف نہیں کرتا تو وہی مصنف کا نظریہ ہوتا ہے''۔ (تفریح الخواطر، صفحہ ۷۹، مطبوعہ مکتبہ صفدریہ، نزد نصرۃ العلوم، گھنٹہ گھر گوجرانوالہ)

لہٰذا اسی اصول پر بات ثابت ہوگئی۔

سیدی اعلیٰ حضرت کی ردِ شیعیت میں خدمات کا اعتراف
(قاری اظہر دیوبندی کے قلم سے)

(۱۷) اسی طرح قاری اظہر ندیم دیوبندی بھی کتاب ''کیا شیعہ مسلمان ہیں''؟ میں سیدی اعلیٰ حضرت کے متعلق یوں نقل کرتے ہیں کہ: ''امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا فتویٰ''۔ (کیا شیعہ مسلمان ہیں؟ صفحہ ۲۸۸ تحریک تحفظ اسلام، گلگت پاکستان، بار اول ستمبر ۱۹۸۷ء)

اس کے بعد انہوں نے سیدی اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کے اقتباسات نقل کیے ہیں، بنظرِ اختصار ان اقتباسات کے عناوین ملاحظہ کریں: ''صدیق و فاروق کا گستاخ کافر ہے''، ''صدیق و فاروق کی خلافت کا منکر کافر ہے''، ''جو غیر نبی کو نبی سے فاضل کہے تو کافر ہے''، ''حضرت معاویہ ﷛ پر طعن کرنے والا جہنمی کتا ہے''، ''روافض علی العموم کفار اور مرتدین ہیں''، ''شیعوں کی مجالس اور جلوسوں میں شرکت حرام ہے، وہ حاضری سخت ملعون ہے، اس میں شرکت موجب لعنت ہے''۔ (کیا شیعہ مسلمان ہیں؟ صفحہ ۲۷۹، ۲۹۰ تحریک تحفظ اسلام، گلگت پاکستان، بار اول ستمبر ۱۹۸۷ء)

اور اس کے کسی حصہ سے انہوں نے اختلاف نہیں کیا۔ گکھڑوی صاحب کی تصریح کے مطابق قاری صاحب نے سیدی اعلیٰ حضرت کو امام اہلِ سنت اور اعلیٰ حضرت تسلیم کر لیا اور یہ بھی ان کا اپنا موقف ثابت ہوا کہ سیدی اعلیٰ حضرت ﷛ نے شیعیت کا رد کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت شیعہ نہیں بلکہ شیعہ کو کافر قرار دیتے ہیں۔
(مولوی حق نواز جھنگوی کا اعتراف)

دیوبندی فرقہ کے مشہور خطیب اور دیوبندی تنظیم سپاہ صحابہ کے سابق امیر مولوی حق نواز جھنگوی کی تقاریر کو دیوبندی مولوی ضیاء القاسمی نے اپنے اہتمام سے اپنے مکتبہ کی طرف سے شائع کیا۔ ان تقاریر میں

تین مقامات پر مولوی حق نواز جھنگوی دیوبندی نے سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی طرف سے شیعہ کا رد کرنا بیان کیا ہے۔ ذیل میں تین اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

(۱۸) جھنگوی صاحب اپنی پہلی تقریر میں کہتے ہیں: ''علامہ بریلوی بریلویوں کے قائد اور ان کے راہنما کے بلکہ بقول بریلوی علماء کے مجدد احترام کے ساتھ نام لوں گا، مولانا احمد رضا بریلوی اپنے فتویٰ (فتاویٰ) رضویہ میں اور اپنے مختصر رسالہ ''ردِ رفضہ'' میں تحریر کرتے ہیں کہ شیعہ اثنا عشری بدترین کافر ہیں اور وہ الفاظ یہ ہیں کہ شیعہ بڑا ہو یا چھوٹا مرد ہو یا عورت، شہری ہو یا دیہاتی، کوئی ہو، لاریب، لاشک قطعاً خارج از اسلام ہے اور صرف اتنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے اور لکھتے ہیں من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر جو شخص شیعہ کے کفر میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے، یہ فتویٰ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ہے۔ جو فتویٰ (فتاویٰ) رضویہ میں موجود ہے، بلکہ احمد رضا خاں نے تو یہاں تک شیعہ سے نفرت دلائی ہے کہ ایک شخص پوچھتا ہے کہ اگر شیعہ کنویں میں داخل ہو جائے تو کنویں کا سارا پانی نکالنا ہے یا کچھ ڈول نکالنے کے بعد کنویں کا پانی پاک ہو جائے گا''؟

اس کے کچھ سطر بعد حق نواز جھنگوی اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''اعلیٰ حضرت بریلوی لکھتے ہیں کہ سارا پانی نکال دے تب کنواں پاک ہوگا اور وجہ لکھتے ہیں کہ شیعہ سنی کو ہمیشہ حرام کھلانے کی کوشش کرتے ہیں اگر اس سے اور کچھ بھی نہ ہوگا تب بھی وہ اہلِ سنت کے کنویں میں پیشاب ضرور کر آئے گا اس لئے اس کنویں کا سارا پانی نکال کر باہر کرنا لازمی اور ضروری ہے''۔ (۱۵ تاریخ ساز تقریریں، صفحہ ۱۵، ناشر مکتبہ قاسمیہ، غلام محمد آباد کالونی اے بلاک فیصل آباد)

(۱۹) جھنگوی صاحب اپنی دوسری تقریر میں کہتے ہیں: ''آپ کے پڑوسی محلّہ میں میں نے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا یہ فتویٰ سنایا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اگر کوئی شیعہ کنویں میں گھس جائے تو مولانا احمد رضا خاں بریلوی کہتے ہیں کہ کنویں کا سارا پانی نکال دو۔ وہ سارا کنواں ناپاک ہو گیا۔ آگے لکھتے ہیں کہ سب کافروں کے لئے یہی حکم ہے کہ وہ کنویں میں داخل ہوں تو کنویں کا سارا پانی ہی نکالا جاتا ہے یہ کیوں چیزیں سامنے آئیں کس لئے آئیں کہ کفر سے اسلام کا تشخص قائم ہو۔ کفر الگ رہے اور اسلام الگ رہے اور اس میں مغالطہ میں آ کر کوئی مسلمان اپنی معاشرتی زندگی کو برباد نہ کر بیٹھے''۔ (۱۵ تاریخ ساز تقریریں، صفحہ ۲۶۶، ناشر مکتبہ قاسمیہ، غلام محمد آباد کالونی اے بلاک فیصل آباد)

حق نواز جھنگوی دیوبندی کی تقریر کے اس اقتباس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت شیعہ کو کافر اور جس کنویں میں شیعہ جائے اسے پاک کرنے کا اس لئے کہتے تھے تا کہ کفر اور اسلام الگ الگ رہیں اور مسلمان اپنی معاشرتی زندگی تباہ نہ کر بیٹھیں۔

جھنگوی صاحب اپنی تیسری تقریر میں کہتے ہیں کہ: ''احمد رضا خان بریلوی شیعوں کو کافر کہتے ہیں''۔ (۱۵ تاریخ ساز تقریریں، صفحہ ۱۶۶، ناشر مکتبہ قاسمیہ، غلام محمد آباد کالونی اے بلاک فیصل آباد)

مولوی حق نواز جھنگوی دیوبندی کی تین تقاریر سے پیش کئے گئے ان تین اقتباسات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت شیعہ نہیں بلکہ شیعہ کے سخت مخالف ہیں اور انہیں کافر قرار دیتے ہیں بلکہ اُن کے کفر میں شک کرنے والے کو بھی کافر کہتے ہیں۔

دیوبندی تنظیم سپاہ صحابہ کی طرف سے اعلیٰ حضرت کو 'امام'' تسلیم کرنا۔

(۲۰) دیوبندی تنظیم سپاہ صحابہ پاکستان کی طرف سے ایک ۱۲ اوراقی کتابچہ ''کیا شیعہ سنی بھائی بھائی ہیں؟'' کے نام سے شائع ہوا۔ اس دیوبندی کتابچہ میں سیدی امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان کی طرف سے ردِ شیعیت میں دیئے گئے فتویٰ کا خلاصہ نقل کیا گیا ہے، فتویٰ سے پہلے اعلیٰ حضرت کا اسمِ گرامی یوں لکھا ہے ''اہم نکات تاریخی فتویٰ مولانا امام احمد رضا خاں'' (کیا شیعہ سنی بھائی بھائی ہیں؟ صفحہ ۱۱، ناشر مرکزی شعبہ نشر و اشاعت سپاہ صحابہ (جھنگ) پاکستان) اس اقتباس میں دیوبندی تنظیم سپاہ صحابہ نے اعلیٰ حضرت کو 'امام'' تسلیم کرتے ہوئے آپ کیلئے ﷬ کے دعائیہ کلمہ کی علامت بھی ''رح'' بھی لکھی ہے۔ اور اس کے بعد سیدی اعلیٰ حضرت کے فتوے کا خلاصہ یوں نقل کیا گیا ہے: ....

بقیہ صفحہ ۶ پر

ہمارے اسلاف

مفتی عابد حسین مصباحی نوری

مفتیٔ اعظم رضی اللہ عنہ ولیٔ کامل

سرزمین بریلی اس اعتبار سے بہت مسعود ومتبرک اور فیض رساں مقام ہے کہ اس کے سینے سے وقت کے ایک سے ایک اللہ کے ولی کامل، مصنف، ادیب، شاعر اور تاریخ ساز شخصیتیں جلوہ گر ہوئیں جنھوں نے ایک طرف دنیا کو علم وادب اور فکر وفن کا خزینہ، بے بہا دیا ہے تو دوسری طرف اپنی بزرگی، تقویٰ وطہارت، علم وآگہی، خداداد کرامتوں اور حیرت میں ڈال دینے والی صلاحیتوں سے قلوب انسانی میں نور ایمان کی جوت جگائی اور گم گشتگانِ راہ کو ہدایت کے راستے پر لاکھڑا کیا۔ نیاز بریلوی، قطب زمن مولینا رضا علی خان، متقی دوراں مفتی نقی علی خاں، مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، استاد زمن شاعر اسلام مولانا حسن رضا خاں، عارف باللہ حضرت شاہ دانا وغیرہم قدست اسرارہم اسی مقدس زمین کی پیداوار ہیں جو زمین کے نیچے رہ کر بھی زمین کے اوپر والوں پر اپنی فیض بخشیوں کا سلسلہ رواں دواں رکھے ہوئے ہیں اور اس زمین کی اب بھی یہ خصوصیت برقرار ہے کہ اسلام کے جیالے اور باکمال افراد کو اگل رہی ہے۔

فضل وکمال اور رشد وہدایت کے اس نورانی قافلے کے ساتھ ہی تاریخ اس صبح درخشاں کو بھی تاقیامت نہ بھول سکے گی، جس صبح مجدد اعظم اعلیٰ حضرت کے گھر اس تاجدار ولایت، فخر سنیت، محافظ قوم وملت، رہبر شریعت، منبع طریقت سیدنا ابوالبرکات محی الدین جیلانی الشاہ مفتی اعظم مصطفیٰ رضا خاں بریلوی کی پیدائش ہزار جلوہ آفرینیوں کے ساتھ ہوئی، خوش بختیوں کا چراغ جگمگا اٹھا اور چھوٹی نبضوں کے چلانے کا وقت آچکا یعنی ۲۲؍ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸ جولائی ۱۸۹۳ء بروز دوشنبہ

۲۲؍ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ کی شب میں تقریباً نصف رات تک امام احمد رضا اور سید المشائخ حضرت نوری میاں قدس سرہما کے درمیان علمی مذاکرات رہے۔ پھر دونوں اپنی اپنی قیام گاہوں میں آرام فرما ہوئے۔ اسی شب میں عالم خواب میں دونوں بزرگوں کو حضرت مفتی اعظم کی ولادت کی نوید دی گئی اور نومولود کا نام ''آل الرحمٰن'' بتایا گیا۔ خواب سے بیداری پر دونوں بزرگوں میں سے ہر ایک نے یہ فیصلہ کر کیا کہ بوقت ملاقات مبارکباد پیش کروں گا۔

فجر کی نماز کیلئے جب دونوں بزرگ مسجد پہنچے تو مسجد کے دروازے پر ہی دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوگئی اور وہیں ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کی۔ فجر کی نماز کے بعد سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری نے امام احمد رضا قدس سرہما سے ارشاد فرمایا: ''مولانا صاحب! آپ اس بچے کے ولی ہیں۔ اگر اجازت دیں تو میں نومود کو داخل سلسلہ کرلوں''۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ نے عرض کی: ''حضور وہ غلام زادہ ہے۔ اسے داخل سلسلہ فرما لیا جائے''۔ سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ نے مصلے ہی پر بیٹھے بیٹھے امام احمد رضا کے نور نظر لخت جگر ''آل الرحمٰن'' اور مستقبل کے مجدد مفتی اعظم کو غائبانہ داخل سلسلہ فرما لیا۔ حضرت سید المشائخ نے امام احمد رضا کو اپنا عمامہ اور جبہ عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''میری یہ امانت آپ کے سپرد ہے جب وہ بچہ اس امانت کا متحمل ہوجائے تو اسے دے دیں۔ مجھے خواب میں اس کا نام ''آل الرحمٰن'' بتایا گیا ہے، لہٰذا نومولود کا نام آل الرحمٰن رکھئے مجھے اس بچے کو دیکھنے کی تمنا ہے۔ وہ بڑا ہی فیروز بخت اور مبارک بچہ ہے۔ میں پہلی فرصت میں بریلی حاضر ہوکر آپ کے بیٹے کی روحانی امانتیں اس کے سپرد کردوں گا''۔ (مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفاء، جلد اول صفحہ ۲۳، از رشحات قلم مفتی سید شاہد علی رضوی رامپوری)

سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ حسب وعدہ چھ ماہ بعد مارہرہ مطہرہ سے بریلی تشریف لائے اور محمد آل الرحمٰن کو اپنی آغوش مبارک میں لے کر دیر تک یکسوئی سے دیکھتے رہے۔ پھر پیشانی

چوم کر ارشاد فرمایا: ''مولانا یہ تو مادر زاد ولی ہے، برکتوں کے اعتبار سے ابوالبرکات اور مرتبہ فنائیت میں محی الدین جیلانی ہے''۔ اس انکشاف کے بعد ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۱۱ھ چھ ماہ تین یوم کی عمر شریف میں سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری رضی اللہ عنہ نے اپنی انگشت شہادت آلِ الرحمٰن محمد ابوالبرکات محی الدین جیلانی کے دہن مبارک میں ڈالی۔ مفتی اعظم شیر مادر کی طرح چوسنے لگے۔ سید المشائخ نے داخل سلسلہ فرمایا اور تمام سلاسل کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری رضی اللہ عنہ نے حضرت مفتی اعظم کو بیعت کرتے وقت (یہ بھی) ارشاد فرمایا: ''یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے۔ اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ کن انسان دین حق پر قائم ہوں گے۔ یہ فیض کا دریا بہائے گا''۔ نیز آپ کو امام احمد رضا بریلوی کی گود میں دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''مبارک ہو آپ کو یہ۔ قرآنی آیت ''واجعل لی وزیراً من اھلی'' کی تفسیر مقبول ہو کر آپ کی گود میں آگئی ہے۔ (مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا صفحہ ۲۵۔۲۴، بحوالہ محدث اعظم پاکستان جلد اص ۲۷)

لغت میں ولایت کے معنی ہیں، قریب ہونا، مدد کرنا محبت کرنا، دوست بنانا اور تصرف وقوت والا ہونا۔ اس اعتبار سے ولی کے معنی ہوئے اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے والا، اس سے محبت و دوستی کرنے والا یا وہ شخص جسے اللہ کی مدد وتائید حاصل ہو، اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہو، پھر وہ اس کی تائید سے تصرف وقوت والا ہو۔

اور اس کا شرعی مفہوم جیسا کہ حضرت علامہ تفتازانی قدس سرہٗ نے وضاحت فرمائی یہ ہے: ''الولی ھو العارف باللہ تعالیٰ و صفاتہ بحسب ما یمکن، المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی، المعرض عن الانھماک فی اللذات و الشھوات''۔ ترجمہ: ولی وہ ہے جو حتیٰ المقدور اللہ کی ذات وصفات کا عارف ہو، اللہ کی اطاعت پر ہمیشگی برتتا ہو، گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور صغیرہ پر اصرار سے بچتا ہو، مباح لذات اور شہوت کی چیزوں میں مستغرق اور اس میں منہمک رہنے سے بھی بچتا ہو۔'' (النبراس شرح شرح عقائد ص ۲۹۵)

آپ کے عارف بالذات والصفات ہونے کی واضح دلیل یہ ہے کہ ہمیشہ پاس انفاس اللہ اللہ کا ذکر خفی جاری رکھتے، سلطان الاذکار والے وظیفہ سے ایسا سرمست ہوئے کہ جسم کا ہر حصہ الگ ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول رہتا، قلب اطہر ذکر سے ایسا معمور تھا کہ خاموش بیٹھے رہنے پر بھی دل سے الا اللہ کی آواز سنائی دیتی۔ ذکر وفکر اس حد تک پہنچا کہ زندگی کے آخری دور میں استغراق (فنافی اللہ باقی باللہ) کے درجے پر فائز ہوگئے تھے۔ پھر بھی شریعت کی ذمہ داری سے اپنے کو مرفوع القلم نہ سمجھا۔ ہمارے مقصود کی تائید واقعہ کے عینی شاہد آپ کے خلیفہ ارشد مولانا مبین الہدیٰ نوری کے ذیل کی عبارت سے بخوبی ہوتی ہے۔

''استغراق کے باوجود نماز ترک نہیں ہوتی حضرت چونکہ عالم استغراق میں رہتے تھے اس لئے (کچھ کم فہم) سمجھتے تھے کہ شاید نسیان کا غلبہ ہے کیونکہ حضرت نماز پڑھنے کے باوجود بھی پوچھ لیا کرتے تھے کہ نماز پڑھی یا نہیں۔ جب دو تین آدمی کہہ دیتے کہ سرکار نے نماز پڑھ لی تب جا کر انہیں اطمینان ہوتا تھا یعنی نماز کے بعد اکثر دوبارہ سہ بارہ ادا فرمانے کا قصد کرتے تو لوگ کہتے کہ حضرت نے نماز پڑھ لی ہے تب حضرت کو اطمینان ہوتا مگر کبھی بھی ایسا نہ ہوا کہ نماز کا وقت گزر گیا اور حضرت نے بھول کر نماز نہ ادا فرمائی ہو، کبھی کسی کو نماز کیلئے کہنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

(استقامت مفتی اعظم نمبر ص ۲۷۰، مضمون مولانا مبین الہدیٰ صاحب نوری جمشید پور)

بلفظ دیگر یوں کہئے کہ مفتی اعظم غفلۃ الصالحین کے اعلیٰ رتبہ پر فائز تھے۔ اللہ والوں کیلئے یہ وہ درجہ علیا ہے کہ وہ اس مقام پر پہنچ کر یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ دنیا بھی کوئی چیز ہے۔ اس دوران کبھی سکر کا عالم طاری ہوتا اور قال سے حال کی طرف التفات ہو جاتا ہے۔ معرفت کی اس منزل پر فائز المرام ہونے کے باوجود شریعت کی پابندی سے یہ لوگ اپنے آپ کو آزاد نہیں سمجھتے بلکہ جب بھی اس کی ادائیگی کا وقت آتا ہے فوراً ہوش میں آجاتے ہیں۔ محدث وقت سفیان ثوری ایک زمانے میں اسی حال سے گزرتے رہے۔ اور عالم وجد وکیف میں اللہ اکبر کی

صدائیں لگاتے رہے۔ حضرت جنید بغدادی کے پاس ذکر کیا گیا تو آپ نے پوچھا ان کی نماز کیا کیا حال ہے؟ جواب ملا نماز کے وقت ہوش میں آجاتے ہیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا: ''تب ان کا حال صحیح ہے۔''

مولانا سید الزماں حمدوی پوکھریروی مرحوم لکھتے ہیں: ''راویان حدیث کے سلسلہ میں ناقدین حدیث تحریر فرماتے ہیں: ''**فادرکتہ غفلۃ الصالحین** ''یعنی ان کو اخیر عمر میں صالحین والی غلفت نے آلیا یعنی صلاح وتقویٰ کے اعلیٰ منزل میں قدم رنجہ فرمایا۔ یہ غفلت آثار ولایت میں سے ایک اثر ہے اور بزرگی کا نشان ہے۔ یہ مقام آخری دور میں حضرت ممدوح معظم اعلیٰ مقام کو بھی حاصل ہوگیا تھا جس کی وجہ سے اکثر آپ سے استغراقی حالتوں کا ظہور ہوتا تھا، جسے عوام (جہلاء) کبرسنی کا نسیان سمجھتے تھے حالانکہ یہ نسیان مرض نسیان نہیں بلکہ یاد الٰہی و ذکر رسالت پناہی نے اپنے ماسوا تمام نقوش وخطوط کو آپ کی قوت حافظہ سے مٹا دیا تھا اور غفلۃ الصالحین کو جلوہ ریزیاں اپنا جلوہ دکھا رہی تھی''۔ (از مفکر اسلام مولانا سید الزماں صاحب حمدوی مرحوم مضمون ''مقام مفتی اعظم محی الاسلام ومحی الدین، مشمولہ استقامت مفتی اعظم نمبر)

تاجدار اہل سنت مفتی اعظم نائب غوث اعظم شبیہ مجدد اعظم شاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی اولیاء کاملین کے اس چوٹی کے گروہ میں سے تھے جنہیں ''نجباء'' کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ نجباء کی حالت یہ بتائی جاتی ہے کہ جس پر حال کا غلبہ رہتا ہو۔ مفتی اعظم زندگی کے اخیر حصہ میں اسی کیفیت سے متکیف ہوگئے تھے۔

جامع کرامات اولیاء میں اولیاء کے طبقۂ نجباء پر بحث کرتے ہوئے علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی قدس سرہ النورانی رقم فرماتے ہیں: ''ہر دور میں آٹھ سے کم وبیش نہیں ہوتے ان حضرات کے احوال سے ہی قبولیت کی علامات ظاہر ہوتی ہیں حالانکہ ان علامات پر ضروری نہیں کہ انہیں اختیار بھی ہو بس حال کا ان پر غلبہ ہوتا ہے اس حال کے غلبہ کو صرف وہ حضرات پہچان سکتے ہیں جو رتبے میں ان سے اوپر ہوتے ہیں ان سے کم مرتبہ لوگ نہیں پہچان سکتے''۔

تعریف کی دوسری قید ہے ''اللہ ورسول ﷺ کی فرمانبرداری پر ثبات ودوام برتنے والا ہو''۔ تعریف کی اس قید کے بھی مفتی اعظم آئینہ دار نظر آتے ہیں۔ اور اسی پر پوری زندگی ثابت قدم دکھائی دیئے۔ خواہ سفر ہو یا حضر عبادت الٰہی، اتباع رسول اور استقامت فی الدین میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں آنے دیتے خصوصاً نماز کا اتنا اہتمام فرماتے کہ کتنی مرتبہ بس اور ٹرین کا چھوٹ جانا گوارہ کرلیتے مگر نماز قضا ہو اس کے لئے تیار نہ تھے۔

ایک مرتبہ میل ٹرین سے ناگپور سے آکولہ تشریف لے جارہے تھے راستے میں ایک جگہ چند لمحے کیلئے ٹرین رکی آپ مصلی اور لوٹا لے کر ٹرین سے نماز پڑھنے اتر گئے، کئی آدمیوں نے کہا، حضور یہ میل ٹرین ہے آپ کیلئے نہیں رکے گی۔ لامحالہ، آپ کی گاڑی چھوٹ جائیگی لیکن حضرت مفتی اعظم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے نیچے اتر گئے اور وضو بنا کر نماز پڑھنے لگے اور جماعت قائم ہوگی۔ اس کے بعد کی تفصیل خود واقعہ نگار راز الہ آبادی مرحوم کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے: ''جیسے ہی مغرب کی نماز کی نیت کی گئی ٹرین چھوٹ گئی حضرت کا سارا سامان اور ساتھ والوں کا سارا سامان ٹرین میں رہ گیا تھا، جب گاڑی چلنے لگی تو کسی نے ڈبے سے پھبتی کسی کہ میاں گاڑی گئی، میاں گاڑی گئی، مگر اس بدنصیب کو کیا معلوم تھا کہ یہ کون ہے؟ نماز جماعت سے پڑھی گئی اور سنت ادا کی گئی نفل نماز پڑھ چکے، پلیٹ فارم خالی تھا مگر لوگ حضرت کو دیکھ رہے تھے اور آپس میں بات کررہے تھے کہ دیکھو مولانا صاحب نماز کیلئے اترے اور گاڑی چلی گئی مگر حضرت اسی طرح مطمئن تھے کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں مگر وہ لوگ پریشان تھے کہ سب کا سامان گیا۔ ابھی یہ سوچ ہی رہے تھے کہ سامنے سے گارڈ صاحب لالٹین لئے بھاگے آرہے ہیں۔ ان کے پیچھے پچاسوں آدمی بھاگے آرہے ہیں گارڈ نے آکر کہا حضور گاڑی رک گئی۔ حضرت نے کہا گاڑی رک گئی یا انجن خراب ہوا؟ گارڈ نے گڑگڑا کر کہا حضرت انجن ہی نہیں چلتا، ہم لوگوں سے بڑی گستاخی ہوئی معاف فرمادیں، یہ میل ٹرین ہے ہم روک نہیں سکتے، ہم مجبور تھے حضرت نے فرمایا، میرے ڈبے میں ایک نام کا مسلمان بیٹھا ہے، کہتا ہے کہ نماز کیلئے گاڑی کیا انتظار کرے گی۔ اسٹیشن ماسٹر نے کہا اب دوسرا

انجن لگایا جائے؟ حضرت نے فرمایا کہ اگر پیچھے لاؤ تو انجن چلے گا۔ ویسے ہی ہوا گاڑی پیچھے لائی گئی اور انجن کی خرابی دور ہوگئی مگر اس درمیان میں گاڑی پون گھنٹہ لیٹ ہوگئی گاڑی کے تمام مسافروں کو یہ واقعہ دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور عبرت بھی۔ ان دونوں ماڈرن مسلمانوں کی آنکھیں کھل چکی تھیں۔ جیسے ہی حضرت کو دیکھا ان لوگوں نے معافی مانگی اور حضرت نے معاف فرمادیا، اس واقعہ سے اسلام کی حقانیت کا مشاہدہ کر کے ایک سکھ ایمان لے آیا۔ (کرامات مفتی اعظم)

غالباً اسی لئے اصحاب طریقت نے ولی کی تعریف مختصر اور آسان لفظوں میں یہ کی ہے کہ ولی وہ ہے جس کو دیکھنے سے خدا یاد آ جائے۔ (یہ تعریف خود حدیث میں بھی وارد ہے) واقعی مفتی اعظم کی ادا ایسی تھی کہ ان کو دیکھنے کے بعد لامحالہ بندے کو خدا یاد آ جاتا تھا۔ اور اللہ کی طرف مائل ہو جاتے تھے۔

(۳) تعریف کا تیسرا جز ہے "گناہوں کے ارتکاب سے بچتا ہو" یہ بات بھی مفتی اعظم کی زندگی میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے کہ آپ سے کسی طرح کے گناہ کے سرزد ہونے کا کوئی واقعہ نہیں ملتا ہے آنجناب نے ہر طرح کے گناہ سے اپنے دامن کو پاک و صاف رکھا۔ لباس علم وتقوی کو کبھی داغدار نہ ہونے دیا۔ استقامت کے ایسے جبل مستقیم بنے رہے کہ جادۂ شریعت سے ذرہ برابر قدم کو پھسلنے نہ دیا۔ تصویر کشی حرام ہے، آج عام بلا میں لوگ مبتلا ہیں آپ دم واپسی تک حرام ہی سمجھتے رہے حتیٰ کہ ہندوستان میں ایک وہ وقت آیا جب کہ یہاں پاسپورٹ پر فوٹو لگوانا شرط قرار دیا گیا مگر آپ نے فرمایا کہ ایک نیک و مسعود اور خالص عبادت الٰہی کی ادائیگی کو جانے کیلئے حرام کا ارتکاب نہ کروں گا اور کسی طرح تصویر کھنچوانے کے لئے راضی نہ ہوئے۔ حج و زیارت کے ہزار اشتیاق کے باوجود ملتوی کرتے رہے تا آنکہ حکومت نے خود بغیر فوٹو کے آپ کو اور آپ کی اہلیہ محترمہ پیرانی اماں (چھوٹی بی) کو اجازت دے دی۔

اس طرح کے بے شمار واقعات وشواہد ہیں جو آپ کے گناہوں سے بلکہ خلاف سنت اور خلاف اولی سے بھی اجتناب واحتراز کے تعلق سے ملتے ہیں۔ جس کی قدرے تفصیل آنے والے صفحات میں آپ ملاحظہ کریں گے۔

(۴) ولی کی تعریف کی چوتھی قید ہے "مباح لذت وشہوات میں منہمک ہونے سے بچتا ہو" اس قید کا مطلب یہ ہے کہ اگر مباح و جائز لذات و شہوات کی تکمیل کے بغیر انہماک کے ہو تو وہ اس تعریف میں داخل نہیں، خارج ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بلا تکلف مباح لذات وشہوات میسر ہوتی ہیں اور ولی نے اپنے نفس کو ان سے روکا نہیں تو یہ اس کی ولایت کے منافی نہیں۔ اس سلسلہ میں یہاں ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے اس سے اہل نظر مفتی اعظم ہند کے مباح لذات وشہوات میں انہماک سے بچنے والے پہلو کا بخوبی اندازہ کرلیں گے۔ مسئلہ شرعی یہ ہے کہ مسجد میں غیر معتکف اور غیر مسافر کو کھانا پینا اور سونا منع ہے ہاں اگر کسی کو کھانا پینا منظور ہو تو وہ اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں داخل ہو۔ کچھ تسبیحیں پڑھے، تب کھائے پیئے یہ جائز و مطابق فتویٰ ہے۔ لیکن اگر اعتکاف کی نیت کے باوجود نہ کھائے پیئے تو یہ اس کا تقویٰ ہے۔ اس میں ایک فائدہ یہ ہے کہ عوام الناس کسی عالم کو کھاتے پیتے دیکھ لیں گے تو وہ بلا قید مسجد میں کھانے کو جائز سمجھ لیں گے اس لئے متقین ومحتاطین مسجد میں کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں۔

مولانا مرغوب حسن صاحب قادری اعظمی بیان فرماتے ہیں: "ایک سفر میں حضور محدث اعظم اور حضور مفتی اعظم ہند بعد نماز عصر مسجد ہی میں بیٹھ گئے۔ کسی نے وہیں آپ حضرات کی خدمت میں چائے پیش کی۔ حضور محدث اعظم نے مسجد ہی میں بیٹھ کر چائے نوش فرمائی مگر مفتی اعظم ہند چائے کی پیالی لے کر باہر تشریف لے گئے اور چبوترہ پر بیٹھ کر چائے نوش فرمائی۔ دیکھنے والوں نے دونوں عظیم ترین علمائے کرام کا عمل دیکھا اور کسی کے پوچھنے پر یا خود اپنی فراست سے حاضرین کے ذہنی تاثر کو بھانپ کر حضور محدث اعظم نے ارشاد فرمایا "میں جب مسجد کے اندر داخل ہوتا ہوں تو اعتکاف کی نیت کر لیتا ہوں اور معتکف کے لئے مسجد کے اندر کھانے پینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں مفتی اعظم کی بھی یہی نیت تھی مگر انہوں نے تقوی پر عمل کیا۔ (تجلیات مفتی اعظم ہند)

ولایت کے تعلق سے یہ امر بیان کرنا بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ مفتی اعظم اور آپ جیسے دیگر بزرگان دین ومقربین بارگاہ کو اپنے

اخیار سے ہونے کا علم ضرور حاصل ہوجاتا ہے اور انسان کیلئے بہت بڑی خوبی کی بات ہے کہ اسے یہ علم بھی ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا اور اخیار میں شمار کرلیا ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ یوں ہی نہیں ہے بلکہ اس دلیل کے پیش نظر ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے ایک فرمان عالی میں اس کی صراحت کی ہے۔ ارشاد ہے "من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین "ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیرو بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا فقیہ بناتا ہے۔ پاک و ہند کے سارے اہل اسلام اور پوری دنیا کے اہل علم متفق اور آپ کی تصنیفات اس پر شاہد عدل ہیں کہ مفتی اعظم بڑے جلیل القدر، منبع فیوض و برکات، متجر عالم وفقیہ ہیں، زمانے نے فقہ کے جزئیات وکلیات کا حافظ مانا، اسی لئے سبھوں نے بالاتفاق مفتی اعظم کا خطاب دیا، محی الدین والاسلام جانا، طریقت کا امام سمجھا اور تاجدار اہل سنت کے نام سے یاد کیا۔ مرجع خلائق گردانا اور الجھے ہوئے مسائل میں آپ کی فقاہت کی طرف رجوع کیا اور جب یہ ثابت ومسلم کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جلیل القدر عالم بالسنہ فقیہ ومتبحر عالم دین بنایا تو حدیث بالا کی روشنی میں خود بخود ثابت ومحقق کہ اس رب کریم نے آپ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا۔ یہیں سے یہ بھی روشن ہے کہ جس طرح ایک صاحب فقہ کو اپنے فقیہ ہونے کا علم ہوتا ہے وہیں یہ علم بھی حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے۔

درمختار میں علامہ محمد حصکفی الاشباہ والنظائر کے حوالے سے لکھتے ہیں: "کل انسان غیر الانبیاء لا یعلم ما اراد اللہ لہ وبہ لان ارادتہ تعالیٰ غیب الا الفقھاء فانھم علموا ارادتہ تعالیٰ بحدیث الصادق المصدوق من یرد اللہ بہ خیر ایفقھہ فی الدین" (مقدمہ درمختار ص ۳۵ ج ۱) یعنی انبیا (اور وہ حضرات جنہیں جنت کی بشارت حضور نے دی) کے علاوہ کوئی انسان نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے خیر کا ارادہ فرمایا ہے کیونکہ اللہ کا ارادہ غیب سے متعلق ہے مگر فقہاء کرام جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے اس لئے صادق ومصدق رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر چاہتا ہے اسے دین کا فقیہ بناتا ہے۔

خود مفتی اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہوا ہے خاتمہ ایمان پر میرا نوری
جبھی ہیں خلد کے حور وقصور آنکھوں میں

مفتی اعظم ان صلحا واخیار میں سے تھے جن کو اس کا علم بھی ہوتا ہے کہ رب ذوالمنن نے ان کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے۔ اس کی دوسری واضح دلیل یہ ہے کہ آپ مخلوقات خدا کے حوائج کے مرجع وماویٰ تھے۔ ہر شخص اپنی دینی وملی، شخصی واجتماعی، گھریلو اور سماجی حاجتوں کو آپ کی بارگہ اقدس میں لے کر حاضر ہوتا اور آپ اس کی حاجت روائی فرماتے اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ عزوجل کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو لوگوں کے حوائج کا اسے مرجع بنادیتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ اس جہت سے بھی آپ کا اخیار سے ہونا ثابت ہے۔

واقف اسرار تھا، رمز آشنائے یار تھا
عشق محبوب خدا میں مست تھا، سرشار تھا
کون جانے وقت کا اخیار تھا ابرار تھا
علم و فضل و آگہی کا واقعی سردار تھا

بندے کی ایک بڑی معراج وسعادت مندی اس میں ہے کہ اسے اس کا آقا ومولیٰ پسند فرمالے اور محبوبیت کے درجے پر فائز کردے۔ کیونکہ صرف محبّ کے درجے تک رہنے سے عشق ومحبت کی بھٹی میں جلنا پڑتا ہے اور ہمیشہ اسے کندن بننے کیلئے تیار رہنا پڑتا ہے اور محبوب بننے کے بعد یہ خطرہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور مفتی اعظم کو محبوبیت کے رتبے پر فائز کیا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ کو مخلوقات میں قبولیت عامہ حاصل تھی، عرب نے بھی آپ کا احترام کیا، جس طرف جاتے اژدہام کثیر آپ کی زیارت کرنے اور آپ سے فیوض وبرکات لوٹنے اکھٹا ہوجاتا۔ ایک عالم آپ سے محبت کرتا اور قدردانی کی نگاہ سے دیکھتا اور یہ مسلمات میں سے ہے کہ مومنین کیلئے مقبولیت عامہ عنداللہ اور عندالرسول جل جلالہ و ﷺ محبوبیت کے درجے پر فائز ہونے کی دلیل ہے۔ ارشاد ہے: "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا" (سورہ مریم: ۹۶) ترجمہ: بیشک وہ جو ایمان لائے

اور اچھے کام کیے عنقریب ان کے لئے رحمٰن لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا فرمادے گا۔اس آیت کریمہ کے تحت بخاری و مسلم کے حوالے سے صدر الا فاضل حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی ﷫ تفسیر خزائن العرفان میں تحریر فرماتے ہیں: ''حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب کرتا ہے تو جبریئل سے فرماتا ہے کہ فلاں میرا محبوب ہے، جبریئل (﷤) اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبریل آسمانوں میں ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو محبوب رکھتا ہے سب اس کو محبوب رکھیں تو آسمان والے اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کی مقبولیت عام کردی جاتی ہے''۔ پھراس کے بعد لکھتے ہیں۔

''اس سے معلوم ہوا کہ مومنین، صالحین و اولیائے کاملین کی مقبولیت عامہ ان کی محبوبیت کی دلیل ہے''۔

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مرد خلیق

اسی لئے ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ''حضرت مفتی اعظم ہند شمع ہیں جس پر نثار ہونے کے لئے پوری دنیائے سنیت پروانہ وار ٹوٹی پڑتی ہے۔جس کا نظارہ پوری دنیا نے بارہا کیا ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند محبوبیت کے اس عظیم منصب پر مسند نشیں ہیں کہ ان کی محبت وعقیدت ہرسنی کے دل کی دھڑکن بن چکی ہے۔(از افادات شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی قبلہ علیہ الرحمۃ)

☆بقیہ: انقلاب، آزادی...... نیا پاکستان☆......

جانے والے مذہبی نظریے......

یہ جو رہی سی شناخت ہے، بچا ہوا زمین کا ٹکڑا ہے اسے قائم رکھنے کے لئے ہمیں لوٹنا ہوگا اس وعدہ کی تکمیل کی جانب جو ہم نے اس کے حصول کے وقت اپنے رب سے کیا تھا: اے مالک تیرے حبیب ﷺ کا دیا ہوا نظام نافذ کریں گے۔اور اگر نہیں تو وہ دن دور نہیں جب ہم......

یا اللہ! پاکستان کی حفاظت فرما...... پاکستان میں نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کی توفیق، ہمت، طاقت عطا فرما۔آمین

......☆بقیہ: اہل ایمان اور اہل قبلہ☆......

ضروریات دین جمیع ماجاء به النبی ﷺ پر ایمان لانے والا ہے۔لہذا وہ اگر کف لسان فرمائیں اور کسی عارض کی وجہ سے اہل قبلہ کی (اپنی تعریف کے مطابق) تکفیر نہ کریں تو یہ ان کے شایان شان ہے۔

اکناف عالم کے تمام اہل ایمان کی اجتماعیت ویکسوئی کے لئے قبلہ ناگزیر ہے لیکن قبلہ کے لئے کسی سمت کا متعین ہونا اتفاقی ہے۔

اہل ایمان کا قبلہ مشرق ومغرب یا شمال وجنوب نہیں بلکہ جہت بیت اللہ شریف ہے۔یہاں مشرق ومغرب اپنے حقیقی معنیٰ پر محمول نہیں۔

یہود ونصاریٰ کے اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرق ومغرب کے پھیر میں بیت المقدس ہی کا قبلہ ہونا منسوخ ہوگیا۔مسلمانوں کو اس سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت ہے کہ بے جا اختلاف محرومی لاتا ہے۔

نیکی کے صرف چھ ہی طریقے نہیں بلکہ بہتر (۷۲) سے بھی زائد ہیں اس آیت مقدسہ میں اس کا اجمال ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جو صفتیں قرآن وحدیث یا کتب سابقہ منزلۃ من اللہ سے ثابت ہیں انہیں صفتوں کے ساتھ اسے یاد کرنا ضروری ہے۔مثلاً سمیع، بصیر، موجود وغیرہا اپنی جانب سے کسی صفت کا اختراع مثلاً اسے ''حاضر وناظر'' کہنا یا لفظ''میاں'' سے متصف کرنا اس کے شایان شان نہیں۔علماء محققین نے ان الفاظ کو بے تاویل رب جلیل جل جلالہ وعم نوالہ کے ساتھ استعمال کرنے پر خوف کفر ظاہر فرمایا۔العیاذ باللہ تعالیٰ عنہا

قیامت ایک ایسی واقع ہونے والی حقیقت ہے جس کا انکار کفر صریح ہے۔

فرشتوں کو خدا کی بیٹی یا اس کا معین ومددگار ماننا کھلا کفر ہے۔

تحریف شدہ توریت وانجیل خدا کی کتاب نہیں ہاں جو آیات منزلہ من السماء توریت وانجیل میں اب تک موجود ہیں وہ کتاب الٰہی کا حصہ ہے،اس پر ایمان لانا لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس قدر نبی ورسول کو دنیا میں بھیجا اجمالاً سبھوں پر ایمان لانا ضروریات دین سے ہے لیکن کسی کا نام لے کر اس کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا اسی وقت ممکن ہے جب کہ ان کا نام قرآن و حدیث میں آیا ہو یا ان کی نبوت ورسالت پر براہین شرعیہ موجود ہوں۔

Quarterly
Safeena-e-Bakhshish
Karachi.

